(مع تفصیلی مقدمہ)

تالیف

امام الفن استاذ الاساتذہ

حضرت مولانا قاری عبدالرحمن صاحب مکی علیہ الرحمۃ

ناشر

جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا، نندوربار، مہاراشٹر ۴۲۵۴۱۵

اجمالی فہرست کتاب

شمار	عناوین.........عناوین.........عناوین	صفحہ
١	**مقدمۃ الکتاب**: تجوید کا حکم، تعریف، موضوع، غایت...............	۱۹
٢	**باب اول**- فصل اول: استعاذہ اور بسملہ کے بیان میں...............	۲۰
٣	دوسری فصل: مخارج کے بیان میں...............	۲۱
٤	تیسری فصل: صفات کے بیان میں...............	۲۲
٥	چوتھی فصل: ہر حرف کی صفات لازمہ کے بیان میں...............	۲۴
٦	پانچویں فصل: صفاتِ ممیّزہ کے بیان میں...............	۲۶
٧	**باب دوسرا**- پہلی فصل: تفخیم اور ترقیق کے بیان میں...............	۲۷
٨	دوسری فصل: نون ساکن اور تنوین کے بیان میں...............	۲۹
٩	تیسری فصل: میم ساکن کے بیان میں...............	۳۰
١٠	چوتھی فصل: حرف غنہ کے بیان میں...............	۳۱
١١	پانچویں فصل: ہائے ضمیر کے بیان میں...............	۳۱
١٢	چھٹی فصل: ادغام کے بیان میں...............	۳۲
١٣	ساتویں فصل: ہمزہ کے بیان میں...............	۳۴
١٤	آٹھویں فصل: حرکات کے ادا کے بیان میں...............	۳۷
١٥	**تیسرا باب**- پہلی فصل: اجتماع ساکنین کے بیان میں...............	۳۹
١٦	دوسری فصل: مد کے بیان میں...............	۴۰
١٧	تیسری فصل: مقدار اور اوجہ مد کے بیان میں...............	۴۲
١٨	فصل چوتھی: وقف کے احکام میں...............	۴۷
١٩	**خاتمہ**- پہلی فصل: قاری مقری کے واسطے چار ضروری علوم...............	۵۲
٢٠	دوسری فصل: قرآن شریف کو الحان اور انغام کے ساتھ پڑھنا...............	۵۵

اہمیت وعظمتِ تجوید وعلمِ تجوید

تلاوتِ قرآن کریم میں حروفِ قرآنیہ کے مخارج وصفات اور تجویدی قواعدو اصول کی رعایت اور پابندی نہایت ضروری ہے اور جوعلم خاص طور سے ان مقاصد کی ادائیگی کے لیے مدون کیا گیا ہے، اسی کو ''علمِ تجوید، علمِ اداء اور علمِ ترتیل'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اسی علم تجوید سے متعلق چند گزارشات آپ کی خدمت عالیہ میں پیش ہیں۔

تجوید کے لغوی معنیٰ ''تحسین الشیٔ یاجعل الشیٔ جیداً'' یعنی کسی شیٔ کو اچھا اور عمدہ کرنا اور سنوارنا۔

تعریف: ہر حرف کو اس کے مخرج سے، مع جمیع صفات کے ادا کرنا۔

یعنی ہر حرف کو اس کے مخرج اور تمام صفاتِ لازمہ اور عارضہ کے ساتھ ادا کرنا۔

تجوید اصطلاحی اور علم تجوید میں فرق:

تجویدِ اصطلاحی تو وہی ہے جو ابھی گزری۔

علمائے تجوید اور مجودین کے محاورہ اور اصطلاح میں علم تجوید: ایسا علم ہے جس میں مخارج وصفاتِ حروف اور تصحیح وتحسینِ حروف کے طریقوں سے بحث کی جائے۔

اقسامِ تجوید: تجوید کی دو قسمیں ہیں: (۱) تجوید علمی۔ (۲) تجوید عملی۔

☆...... تجوید علمی: ایسے قواعد واصول اور ضابطوں کا جاننا ہے، جن کو علمائے تجوید اور ائمۂ قراءت نے مدون کیا ہے۔ مثلاً مخارج وصفات اور احکام ترکیبیہ وغیرہ۔

☆...... تجوید عملی: حروف قرآنیہ کو مقررہ مخارج سے، مع جمیع صفات لازمہ وعارضہ اور مقررہ اصول وقواعد کے ساتھ ادا کرنا ہے۔

وجہ تسمیہ: اس علم میں وصل ووقف کی درستگی اور مخارج وصفات کی عمدگی سے،

قرآن کریم کو سنوار کر پڑھنے کے قواعد کا بیان ہوتا ہے، اس لیے اس کا نام ''تجوید'' ہوا۔

موضوع: تجوید کا موضوع ہے، قرآن کریم کے حروف تہجی۔ باعتبارِ مخارج وصفات۔ کیوں کہ تجوید میں حروف قرآنیہ کے، ان ہی حالات واوصاف اور عوارضات سے بحث ہوتی ہے، بعض لوگوں نے حروفِ احادیث بھی فرمایا ہے۔

غرض: (۱) قرآن کی ادائیگی میں زبان کا محفوظ رہنا۔

(۲) نزول کے مطابق قرآن کی تلاوت کرنا۔

(۳) قراءت کا عمدہ کرنا۔

غایت: حروف کا صحیح ہونا، جیسا کہ مطلوب ہے۔

یعنی حرف کو ہر جگہ اور ہر حال میں، اس کے مقررہ مخرج سے تمام صفات لازمہ اور عارضہ کے ساتھ، نہایت لطافت اور نرمی سے بغیر کسی تکلّف وتصنع کے ادا کرنا اور اس کے لیے اس قدر کوشش کرنا کہ تصحیحِ حروف، قاریٔ قرآن کی عادتِ ثانیہ بن جائے، اور اس کی فطرت اور اس کا ملکہ بن جائے۔

فائدہ وثمرہ: اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور دارین کی سعادت۔

چناں چہ علامہ جزریؒ فرماتے ہیں: کہ جو شخص تجوید کو اچھی طرح جانے گا وہ نیکی وہدایت پالے گا۔

ارکان: (۱) مخارجِ حروف۔ (۲) صفات۔ (۳) احکامِ ترکیبیہ، مثلاً اخفاء، ادغام اور مدوغیرہ۔ (۴) زبان سے محنت وریاضت۔

فضیلت ومرتبہ: یہ فن؛ تمام علوم سے اشرف وافضل ہے یا افضل علوم میں سے ہے اس لیے کہ اس کا تعلق کلام اللہ سے ہے جو اشرف الکلام ہے۔

حکم: قواعد تجوید کا یاد کرنا فرض کفایہ ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اڑتالیس میل (سوا

ستھتر کلومیٹر) کی حد میں ایک ماہر تجوید کا ہونا ضروری ہے۔ ورنہ سب گنہ گار ہوں گے، اور قواعد تجوید کے مطابق قرآن کریم کو صحیح پڑھنا ہر عاقل و بالغ پر فرض عین ہے، یعنی اس حد تک کہ حروف و معانی میں تبدیلی پیدا نہ ہو۔

علم تجوید کی تدوین اور اس کے مدونین:

اولاً یہ جاننا چاہیے کہ اس فن کے واضعین کی دو قسمیں ہیں:

(۱) واضعین من حیث الاداء (پڑھ کر بتلانے والے)۔

(۲) واضعین من حیث القواعد (قواعد جمع کرنے والے)۔

پڑھ کر بتلانے والے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے، جس طرح سے حضرتِ جبرئیلؑ سے سنا، اسی طرح قواعد کے مطابق صحابۂ کرام کو پڑھا دیا۔

چوں کہ صحابۂ کرامؓ اہل زبان تھے، لہٰذا انھیں قواعد کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا اور دعوتِ اسلام بیرونِ عرب پہنچی تو عرب و عجم کے اختلاط سے، عربیت کے صاف ستھرے اور خاص لب ولہجہ میں نوع بہ نوع کی خامیاں اور نقائص پیدا ہونے لگے، تو اس زمانہ کے ائمہ فن اور ماہرین لغت مثلاً:

ابوالاسود دؤلیؒ (م۶۱ھ) خلیل بن احمدؒ (م۱۶۰/۱۷۰ھ) سیبویہؒ (م۱۵۳ھ) اخفشؒ (م۳۳۸ھ) فراءؒ (م۲۰۷ھ) اسحٰق جرمیؒ (م۲۲۵ھ) اور مبردؒ (م۲۸۵ھ) وغیرہ نے شدت کے ساتھ ضرورت محسوس کی کہ صرف، نحو، لغت اور حروف عربیہ کے مخارج وصفات وغیرہ کی مکمل اور جامع تشریح کی جائے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور ہدایت کی روشنی میں ایسے اصول وقواعد کی بنیاد رکھی جائے کہ عربی فصاحت اور طرزِ ادا عجمی اختلاط سے مجروح اور متأثر نہ ہوتے ہوئے بالکل محفوظ ہو جائے، پس اس فن کی وضع و ترتیب تقریباً ۱۵۰ھ سے شروع ہوئی ہے۔ واللہ اعلم۔

دوسری صدی تک وجوہِ قراءت اور تجویدی اصول وقواعد کے لکھنے کا دستور نہیں تھا، تیسری صدی میں ابوعبید قاسم بن سلامؒ (م۲۲۴ھ) نے کتاب القراءات تصنیف کی اور فنِ تجوید میں سب سے پہلے موسیٰ بن عبیداللہ بغدادی (م۳۲۵ھ) نے کتاب تصنیف کی، اس کے بعد تجوید وقراءت میں بہت سی کتابیں تالیف ہوئیں۔

تجوید وقراءت کی تصانیف کا سرسری جائزہ:

علم قراءت اور تجوید پر باقاعدہ تصانیف کا آغاز تیسری صدی سے ہوتا ہے، بعض حضرات نے اور پہلے بھی لکھا ہے، چناں چہ:

تیسری صدی میں ۷/، چوتھی میں ۲۵/ سے زائد، پانچویں میں ۵۰/ سے زائد، چھٹی میں ۳۰/، ساتویں میں ۳۰/، آٹھویں صدی میں ۵۰/ سے زائد، نویں میں ۳۰/ سے زائد، دسویں میں ۱۵/، گیارھویں میں ۳/، بارھویں میں ۲/، تیرھویں میں ۴/، چودھویں میں ۵۰/ زائد کتابیں لکھی گئیں۔ نیز چودھویں صدی میں خاص علم تجوید پر، تصانیف کی تعداد سو سے زائد ہیں، اس سرسری جائزہ سے تقریباً پانچ سو تصانیف کا سراغ ملتا ہے۔

رواں پندرھویں صدی:

فنِ تجوید پر بے شمار تصانیف وتالیفات ہیں بل کہ یوں کہنا چاہیے کہ چودھویں صدی کا آخر اور رواں پندرھویں صدی، علم القراءات والتجوید کے لیے علمی وتصنیفی صدی ہے علمائے عرب کے ساتھ بیرونِ عرب اور برصغیر کے علما اور قراء پوری بیداری کے ساتھ اس علم کی تعلیمی، تصنیفی اور تربیتی خدمات پر کمربستہ نظر آرہے ہیں، علمائے عرب نے بطورِ خاص اہتمام کیا ہے۔ جدید اور مستقل تصانیف کے قدیم مآخذ اور مصادر کی، ازسرِ نو تصحیح وتحقیق اور جدید انداز پر مفصل تعلیقات کے ساتھ طباعت واشاعت کی برابر خبریں آرہی ہیں، اسی کے ساتھ برصغیر میں کمیت اور کیفیت دونوں اعتبار سے اچھا خاصا کام ہوا، ہو رہا ہے۔

یہ تو مشترکہ جائزہ ہے، قاری مقری محمد ادریس العاصم مدظلہٗ (فاضل مدینہ یونی ورسٹی) نے صرف فن تجوید پر کتابوں کی ایک مختصر مگر جامع فہرست لکھی ہے، جس میں ۱۴۴ ر کتابوں کے نام درج ہیں (ان میں مراجع اور حواشی وغیرہ شامل ہیں)۔

(تفصیل کے لیے دیکھیں، شرح فوائد مکیہ، ص:۶۹ ر)

مشہور قراء عظام:

صحابۂ کرام میں: حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابی بن کعبؓ حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابودرداء اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ۔

علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ ''حضرت ابیؓ سے صحابہ کرام کی ایک جماعت نے قرآن پڑھا، ان میں حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن سائب بھی شامل ہیں''۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ سے بھی قراءت سیکھی، پھر ان لوگوں سے بکثرت تابعین نے قراءت کی تعلیم پائی۔ مثلاً:

قراء مدینہ: ابن المسیب، عروہ، سالم، عمر بن عبدالعزیز، سلیمان بن یسار، عطاء بن یسار، معاذ بن الحارث، عبدالرحمٰن ہرمز الاعرج، ابن شہاب الزہری، مسلم بن جندب، زید بن اسلم رحمہم اللہ تعالیٰ۔ وغیرہ

قراء مکہ: عبیدؒ بن عمیر، عطاؒ بن ابی رباح، طاؤسؒ، مجاہدؒ، عکرمہؒ اور ابن ابی ملیکہؒ۔ وغیرہ

قراء کوفہ: علقمہ الاسود، مسروق، عبیدہ عمرو بن شرجیل، حارث بن قیس، ربیع بن خثیم، عمرو بن میمون، ابوعبدالرحمٰن السلمیؒ، زر بن حبیش، عبید بن نفیلہ، سعید بن جبیر، نخعی اور شعبی رحمہم اللہ تعالیٰ۔ وغیرہ

قراء بصرہ: ابوعالیہ، ابورجا نصیر بن عاصم، یحیٰ بن یعمر، امام حسن بصری، ابن سیرین

اور قتادہ، رحمہم اللہ تعالیٰ۔ وغیرہ

قراء شام (دمشق): مغیرہ بن ابی شہاب المخزومی، جو حضرت عثمانؓ کے شاگرد تھے، اور خلیفہ بن سعد، جو حضرت ابو درداءؓ کے شاگرد تھے۔

قراءتِ قرآن کے کئی طریقے ہیں، عموماً تین قسمیں بیان کی جاتی ہیں:

ترتیل......حدر......اور تدویر۔

☆......**ترتیل**: نہایت اطمنان سے پڑھنا۔ ☆......**حدر**: جلدی جلدی پڑھنا۔ ☆......**تدویر**: دونوں کے مابین پڑھنا۔ عام طور سے یہی تین قسمیں بیان کی جاتی ہیں لیکن ان کے علاوہ دو قسمیں اور بھی ہیں: ☆......**تحقیق**: ترتیل سے بھی زیادہ اطمنان سے پڑھنا۔ ☆......**ھذرمہ**: حدر سے بھی تیز پڑھنا۔

ان طریقوں میں سے خواہ کوئی بھی طریقہ اختیار کیا جائے، ہر ایک میں رعایتِ تجوید ضروری ہے۔

فائدہ: یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ قلت تلاوت کے ترتیل بہتر ہے یا کثرتِ تلاوت کے ساتھ حدر بہتر ہے، تو حضرت ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ، مجاہدؒ، علامہ جزریؒ، امام غزالیؒ، قراء سبعہ میں سے امام عاصمؒ، حمزہؒ اور ورشؒ کے نزدیک ترتیل افضل ہے۔ حضرت علیؓ ایک جماعتِ صحابہؓ و تابعینؒ امام شافعیؒ، اور قراء سبعہ میں سے ابن کثیرؒ، ابو عمر بصریؒ اور قالون حدر کی افضلیت کے قائل ہیں۔ اور امام کسائیؒ اور ابن عامر شامیؒ تدویر کو افضل کہتے ہیں۔

ترتیل کا منشا قرآن کریم کے معانی و مطالب میں غور و فکر ہے اور حدر کثرت تلاوت کے لیے ہوتا ہے، جب کہ تدویر میں دونوں باتیں بیک وقت مدنظر ہوتی ہیں، عجیب بات ہے کہ ہمارے ماحول میں عموماً جلسوں کے لیے ترتیل، فرض نمازوں کی لیے تدویر اور تراویح کے لیے حدر اختیار کیا جاتا ہے۔

خوش آوازی اور حسن صوت سے قرآن کیوں پڑھا جائے؟

اس لیے کہ اس سے متعلق بہت سی احادیث مروی ہیں، مثلاً:

☆......عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مااذن اللہ لشئ مااذن للنبی حسن الصوت بالقرآن یجھربہ (متفق علیہ)

یعنی اللہ تعالیٰ کسی چیز کو بہ غور نہیں سنتے، جیسا کہ اپنے نبی کے خوش آوازی سے پڑھے گیے قرآن کو، جب کہ وہ بلند آواز سے پڑھیں۔

☆......عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مااذن اللہ لشئ مااذن للنبی یتغنی بالقرآن (متفق علیہ)

یعنی اللہ تعالیٰ کسی چیز کو نہیں سنتے جیسا کہ نبی کی آواز کو سنتے ہیں جب وہ قرآن کو خوب صورت آواز سے پڑھے۔

☆......عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس منا من لم تغن بالقرآن (رواہ البخاری)

یعنی جو قرآن کو خوش کن آواز سے تلاوت نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔

☆......عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زینوا القرآن باصواتکم (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

یعنی اپنی آوازوں کے ساتھ قرآن کو مزین کرو۔

☆......عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول "حسنوا القرآن باصواتکم فان الصوت الحسن یزید القرآن حسنا" (دارمی)

یعنی قرآن کو اچھی آوازوں کے ساتھ پڑھو، اس لیے کہ اچھی آواز قرآن میں خوبی کو زیادہ کرتی ہے۔

ادلۂ اربعہ (قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس)

اور فقہ واقوالِ علما سے تجوید کا ثبوت:

قرآن: ''ورتل القران ترتیلًا'' علامہ بیضاویؒ فرماتے ہیں ''ای جودالقران تجویدًا'' اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں: الترتیل ھو تجوید الحروف ومعرفة الوقوف۔

☆......''الذین اتینٰھم الکتٰب یتلونہ حق تلاوتہ'' امام غزالیؒ فرماتے ہیں، کہ حق تلاوت یہ ہے کہ تلاوت میں، زبان، عقل اور دل تینوں شریک ہوں۔ زبان کا حصہ حروف کی تصحیح، عقل کا حصہ معانی ومطالب کی تفسیر اور دل کا حصہ اطاعت ونصیحت پذیری ہے۔

حدیث: ''رب قارئ للقران والقران یلعنہ'' یعنی بہت سے لوگ قرآن کی تلاوت اس حال میں کرتے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت کرتا ہے، اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد صاحبِ **نہایۃ** لکھتے ہیں: أی اذااخل بمبانیہ أو بمعانیہ أو بالعمل بمافیہ ومن جملة العمل بمافیہ ترتیلہ وتلاوتہ حق تلاوتہ۔ ملاّ علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اس وعید میں تین طرح کے آدمی داخل ہیں: (١) بے عمل۔ (٢) تحریف کرنے والا۔ (٣) غلط پڑھنے والا۔

ایک روایت میں ہے ''القران حجة لك او علیك'' اس کے علاوہ بھی بہت سی احادیث ہیں، جن میں غلط پڑھنے پر وعید بیان کی گئی ہیں۔

اجماع: علاّمہ شیخ محمد مکّی نصرؒ ''نہایة القول المفید'' میں فرماتے ہیں: (جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''امت معصومہ عن الخطاء (وہ امت جس کا اجماع؛ غلطی سے محفوظ ہے) نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک سے لے کر ہمارے اس زمانہ تک، تجوید کے وجوب پر اتفاق کیا ہے، اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، اور یہ اجماع قوی ترین دلیل ہے۔

بل کہ امام رازیؒ، علامہ جزریؒ، امام سیوطیؒ، علامہ قسطلائیؒ، علامہ دانیؒ، شیخ مکی ابن ابی طالبؒ وغیرہم، اس کی فرضیت کے قائل ہیں، چناں چہ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں: ''اس علم کے فرض کفایہ ہونے اور اس کے مطابق عمل کے فرض عین ہونے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے گر چہ کہ قراءتِ قرآن سنت ہے''۔

قیاس: قرآن عربی ہے اور تجوید کے قواعد کی مخالفت سے بعض دفعہ عجمی بن جاتا ہے، مثلاً: ضاد کی جگہ ڈال، یا حرکتوں کا مجہول ادا کرنا۔ (۲) قرآن لفظ و معنیٰ دونوں کا نام ہے، پس معانی کی طرح الفاظ کی تصحیح بھی ضروری ہے۔ (۳) تجوید سے تلاوت کا حسن دوبالا ہوجاتا ہے۔ (۴) معانی موقوف ہیں الفاظ پر، اور اول کی صحت ثانی پر موقوف ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض مرتبہ اس کے خلاف سے نماز فاسد ہوجاتی ہے۔

فقہ: فقہائے کرام کا بھی اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن کو تجوید سے پڑھنا واجب اور نہایت ضروری ہے، کیوں کہ بعض دفعہ تجوید کی غلطی سے معنی اس حد تک بدل جاتے ہے کہ نماز فاسد ہوجاتی ہے، اور اس معاملہ میں خود اس کا خیال معتبر نہیں، بل کہ کسی محقق اور ماہر قاری کی شہادت ضروری ہے، اور اگر تصحیح حروف کی کوشش نہ کرے گا، تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔

اقوالِ علمائے کرام: علامہ جزریؒ، المقدمۃ الجزریۃ میں فرماتے ہیں:

و الأخذ بالتجوید حتم لازم	من لم یجود القران آثم
لانہ بہ الإلہ انزلا	و ھکذا منہ الینا وصلا

(۲)...... عالم گیرؒ کے استاذ صاحب تفسیراتِ احمدیہ ملا جیونؒ فرماتے ہیں ''حق تعالیٰ نے قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھنے کا حکم دیا ہے، اور لوگوں پر اس کو واجب بھی کر دیا ہے''۔

(۳)...... حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ''شریعت میں سات چیزوں

کی رعایت کا نام ترتیل ہے'' ان میں سے ہر حرف کو ان کے مخرج سے نکالنا، وقف وابتدا کا لحاظ رکھنا، حرکات ثلثہ کو صاف ادا کرنا بھی شامل ہے۔

(۴)...... صاحب علم الصیغہ مفتی عنایتؒ فرماتے ہیں کہ ''جو شخص صحیح پڑھنے پر قادر نہیں اور کوشش بھی نہیں کرتا تو وہ اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ گناہوں میں گذارتا ہے''۔

(۵)...... قطب الارشاد حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ ایک سوال (علم تجوید فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟) کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں، کہ:

علم تجوید جس سے تصحیح حروف ہو جاوے، جس سے معانیٔ قرآن مجید نہ بگڑیں یہ فرض عین ہے؛ مگر عاجز؛ معذور ہے، اس سے زیادہ علم قراءت وتجوید فرضِ کفایہ ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ، ۳۱۷)

(۶)...... حکیم الامت حضرت اقدس مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ: تصحیح حروف بقدرِ امکان واجب علی العین ہے۔

(امداد الفتاویٰ ۱/۳۰۵)

(۷)...... اسی طرح ''اشرف الجواب'' میں فرماتے ہیں کہ: ''علم تجوید سے لاپرواہی کرنا ٹھیک نہیں، اس کا سیکھنا فرض ہے۔'' آگے فرماتے ہیں: ''تجوید کی یہاں تک ضرورت ہے کہ بعض دفعہ اس کی مخالفت سے عربیت جاتی رہتی ہے، اور جب لفظ عربیت سے ہی نکل گیا تو قرآن ہی نہ رہا، جب نماز میں قرآن نہ پڑھا گیا تو نماز کیسے صحیح ہوئی؟'' الخ۔

اور ''جمال القرآن'' میں، اس طرح پڑھنے کو لحن جلی اور حرام لکھا ہے۔

(۷)...... حضرت شیخ زکریا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ''تالی قرآن، قرآن شریف میں پڑھتا ہے ''الا لعنة الله علی الظلمین'' اسی طرح ''لعنة الله علی الکاذبین'' اور خود اس کا مستحق ہوتا ہے۔ اللھم احفظنامنه۔

ان تمام تفصیلات سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کو تجوید وصحت سے پڑھنا لازم اورضروری ہے، اوراس کے چھوڑنے پر سخت گناہ ہے، خصوصاً وہ شخص زیادہ ہی گنہ گار ہوگا جولا پرواہی سے چھوڑے، جیسا کہ صاحبِ خلاصۃ البیان فرماتے ہیں ’’فلماثبت امر الله تعالی بالترتیل أی التجوید وجب الأخذ به ولزم الاثم علی ترکه لاسیمالمن لایبالی شانه‘‘۔

اخیری بات، حضرت امام حفصؒ کی مقبولیت:

امام حفصؒ ۹۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۰ھ میں بہ عمر ۹۰ سال کوفہ میں وفات پائی ہے۔ اِس وقت دس قراءتیں جوامت کے پاس موجود ہیں، اوران میں کسی کا کبھی کوئی اختلاف نہیں رہا، نیز ان میں سے مکہ اور مدینہ والوں کی قراءت، خاص طور پر قریشی ہونے کی وجہ سے زیادہ امتیاز رکھتی ہے، لیکن اس پر یہ مقبولیت خداداد ہے، کہ صدیوں سے مکاتب اور مدارس میں امام حفصؒ ہی کی روایت پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے، اور ایک ہزار حفاظ میں سے نو سو ننانوے کو یہی ایک روایت یاد ہے، اور ایسا تو کوئی بھی نہ نکلے گا جسے یہ روایت یاد نہ ہو اور دوسری یاد ہوں۔ (حالاں کہ نحوی حضرات کے گمان کے مطابق تو امام عاصمؒ کی قراءت مروج ہونی ہی نہ چاہیے تھی، کیوں کہ ہمزات کی تحقیق کی وجہ سے وہ اس پر اعتراض کرتے ہیں)۔ **ذالک فضل اللّٰہ یؤتیه من یشاءُ**۔

لیکن تواترِ عملی کے ساتھ امام عاصم کوفیؒ اور امام حفص کوفیؒ کی قراءت وروایت بہ طریق شاطبیؒ غیر منقسم ہندوستان میں خاص طور سے اور عموماً پوری دنیا میں امام حفصؒ کی ہی روایت پڑھی جاتی ہے اور رائج ہے۔ سعودی گورنمنٹ کی طرف سے چھپنے والے قرآن کریم میں امام عاصم کوفیؒ کی قراءت اور امام حفص کوفیؒ کی روایت سے پڑھنے ہی کی تاکید کی گئی ہے۔

اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ برصغیر کا کوئی قابلِ ذکر ادراہ نہیں ہے جس میں یہ کتاب داخل نصاب نہ ہو بلکہ اردو حفص کی تکمیل اسی پر موقوف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بہت سے حواشی اور شروحات لکھی گئی ہیں، مثلاً:

شمار	حواشی کے نام	مؤلف/ مصنف/ مرتب
۱	تعلیقاتِ مالکیہ	حضرت قاری عبدالمالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ
۲	حواشیٔ مرضیہ	حضرت قاری محبّ الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ
۳	مختصر حواشی	حضرت قاری مفتی محمد سعید صاحبؒ اجراڑوی
٤	مختصر حواشی	حضرت قاری حفظ الرحمٰن صاحبؒ پرتاب گڈھی
٥	توضیحاتِ مرضیہ	حضرت قاری محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ
٦	لمعاتِ شمسیہ	حضرت قاری محمد یوسف صاحب
۷	تحفۂ مرضیہ	حضرت قاری جمشید علی صاحب مدظلہٗ دارالعلوم دیوبند
۸	شرح فوائد مکیہ	استاذ القراء محمد ادریس العاصم مدظلہٗ فاضل مدینہ یونیورسٹی

ان کے علاوہ بھی حواشی ہیں، یہ اختصاراً لکھے گیے ہیں۔

مشہور تلامذہ: آپ کے شاگردوں کی بہت لمبی فہرست ہے، چند کے اسماء یہ ہیں:

(۱) قاری عبدالخالق صاحب (۲) قاری عبدالمالک صاحب (۳) قاری ضیاء الدین صاحب (۴) قاری عبدالوحید صاحب (۵) قاری حفظ الرحمٰن صاحب (٦) قاری عبدالمعبود صاحب (۷) قاری محمد یوسف صاحب (۸) قاری نواب حبیب الرحمٰن شیروانی صاحب (۹) قاری محمد حسین صاحب (۱۰) قاری عبدالحیؒ والد بزرگوار علی میاںؒ (۱۱) قاری محمد سلیمان صاحب سورتی (۱۲) قاری شیخ محمد صاحب مئو (۱۳) قاری قطب الدین صاحب وغیرہ۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے، شرح فوائد مکیہ از: قاری ادریس عاصم صاحب مدظلہٗ)

مصنفؒ کے مختصر حالات

نام نامی : عبدالرحمٰن بن شیخ محمد بشیر خان　　**لقب**: خاتمۃ القراء فی الہند

نسبت: مکی/الٰہ آبادی　　**مسلک**: حنفی (دیوبندی)

تاریخ پیدائش: ۱۲۸۰ھ مطابق: ۱۸۶۴ء　　**مقامِ پیدائش**: گوالیار ایم پی۔

حضرتؒ اصلاً فرخ آباد یوپی کے رہنے والے تھے، لیکن ۱۸۵۷ء کی جنگ میں حالات کی وجہ سے مکہ ہجرت کر گیے تھے، اس لیے ''مکی'' کہلاتے ہیں، البتہ الٰہ آباد میں تجوید وقراءت کی خدمت ایک عرصے تک کی اس لیے ''الٰہ آبادی'' کہلائے۔

تعلیم و تعلیم: مکہ ہجرت کر جانے کے بعد وہیں مکہ میں ہی مدرسہ صولتیہ میں ابتدائی تعلیم اور حفظ قرآن سے فراغت کے بعد بڑے بھائی جناب قاری عبداللہ- جو مدرسہ صولتیہ کے شیخ القراءات تھے- سے حفص اور قراءات سبعہ پڑھیں۔

مکہ مکرمہ سے ہندوستان واپسی: اس فن شریف کی حفاظت کا سامان اس طرح پیدا ہوا کہ، ایک رات خواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مولانا حافظ قاری عبداللہ قدس سرہ سے فرمایا کہ ''قاری عبداللہ سنو! اپنے بھائی قاری عبدالرحمٰن کو ہندوستان بھیج دو تا کہ وہاں تجوید وقراءت کی اشاعت ہو، اس بشارتِ عظمیٰ پر جس قدر بھی فخر ہوسکتا ہے کم ہے۔

بہر حال! قاری عبداللہ صاحب نے فوراً اپنے بھائی قاری عبدالرحمٰن کو بلوا کر فرمایا کہ: گنبد خضراء میں آرام فرمانے والے آقا و مولیٰؐ نے خواب میں تمہارا نام لے کر بشارت دی ہے کہ، اپنے بھائی کو علم تجوید وقراءت کی اشاعت کے لیے ہندوستان روانہ کر دو، حضرت قاری عبدالرحمٰن قدس سرہ پر اس بشارت کو سن کر عجیب کیفیت طاری ہوگئی، کہ حضورؐ نے اپنے اس غلام کا نام لے کر بشارت دی (اس نعمت عظمیٰ کا اندازہ وہی کر سکتا

ہے جس پر یہ حالت گزری ہو)۔

غرض حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن قدس سرہ بہ طِیبِ خاطر مکہ معظّمہ سے ہندوستان تشریف لائے، اور فن تجوید وقراءت کی اشاعت میں کوشش شروع کردی، ابتداء میں اس فن کی طرف عوام تو عوام، خواص نے بھی کوئی توجہ نہیں کی، ان حالات کو دیکھ کر حضرت قاری صاحب قبلہ کی طبیعت اچاٹ ہوگئی، اور آپ دل برداشتہ ہوگیے، اور مکہ معظّمہ واپس جانے کا عزم مصمم کرلیا، کہ صبح روانہ ہوجاؤں گا، بلکہ بستر وغیرہ باندھ کر تیار کرلیا، اسی شب سرکارِ دو عالم ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی، اور حضورؐ نے حضرت قاری عبدالرحمٰن کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا کہ: قاری عبدالرحمٰن! مکہ معظّمہ واپس کیوں جارہے ہو؟ یہ خیال دل سے نکال دو، ابھی تو آپ سے بہت کام لینا ہے''۔

اس بشارت کے بعد آپ نے اپنا ارادہ ملتوی کردیا، اور کام شروع کردیا، اب تشنگانِ علوم اپنی پیاس بجھانے کے لیے جوق در جوق آنے شروع ہوگئے، اور کچھ ہی دنوں میں فن تجوید وقراءت کی شہرت بام عروج پر پہنچ گئی، چناں چہ ہزاروں قراء اور حفاظ اس سرچشمۂ تجوید وقرأت سے تیار ہوئے، آج ن تجوید وقراءت کا جو چرچا جابجا نظر آرہا ہے یہ سب آپ کی اور آپ کے تلامذہ کی مساعیٔ جمیلہ کا ثمرہ ہے۔

حضرتؒ کا کارنامہ: حضرتؒ نے اس فن کے ایسے رجال کار تیار فرمادیے تھے کہ تاریخ اس صدی میں ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے، اور اس وقت شاید ہی کوئی قاریٔ سبعہ وعشرہ ایسا ہو جس کا سلسلہ حضرت تک نہ پہنچتا ہو۔

آپؒ کی تلاوت اور ایک عجیب وغریب واقعہ: مبدأ فیاض سے بڑی پرکشش اور متین آواز آپ کے حصہ میں آئی تھی اور آپ کو کئی عربی لہجوں پر قدرت تامہ بھی حاصل تھی۔

صاحبِ فیضان رحمت نے آپ کی قراءت سے متعلق ایک عجیب واقعہ حضرت

مولانا منت اللہ صاحب (صاحبزادہ حضرت مونگیریؒ) سے یوں نقل کیا ہے کہ حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ (بانی ندوۃ العلماء لکھنؤ) نے حضرت قاری عبدالرحمٰن مکیؒ کو اپنی خانقاہ ایک مرتبہ میں ٹھہرایا۔ دوسرے روز صبح کی نماز کے بعد حضرت قاری صاحبؒ سے مولانا مونگیریؒ نے فرمایا میرے کمرے میں تشریف لائیے چائے وہیں پئیں گے۔

شیخ القراء جب کمرے میں داخل ہوئے اور بیٹھ گیے تو حضرت مونگیریؒ نے کہا قاری صاحب ایک رکوع سنا دیجیے۔ شیخ القراء نے ایک رکوع سنایا تو سن کر حضرت پر رقت طاری ہوگئی، کہا قاری صاحب اور سنایئے قاری صاحب نے ایک رکوع اور سنایا اس بار قاری صاحب رو پڑے اور اس طرح سما بندھ گیا کہ تلاوت کے ساتھ دونوں روتے جاتے تھے۔ ساڑھے بارہ بجے دن تک یہ سلسلہ جاری رہا جو لوگ کمرہ سے باہر تھے وہ بھی رو رہے تھے غرض اس روز چائے پینے کی نوبت نہ آئی۔

صورت وسیرت: آپؒ بہت ہی بارعب اور متانت والی شخصیت کے مالک تھے، بلند اخلاق ملنسار اور حسن سیرت سے مزین تھے۔ بات کے پکے اور دل کے سچے مرد مومن تھے۔ بات کے دھنی اور دل کے غنی تھے۔ آپ کی تمام معمولاتِ زندگی پر دین کی چھاپ نمایاں تھی۔

بیعت وسلوک: آپ حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکیؒ سے بیعت تھے اور اسی پر آخر دم تک قائم رہے، بعض نے حضرت پیر مہر علی شاہ سے بیعت کے متعلق لکھا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں کیوں کہ حضرت پیر صاحب خود حضرت حاجی صاحب سے بیعت تھے، اس اعتبار سے دونوں پیر بھائی ہوئے، البتہ دونوں میں بڑے دیرینہ تعلقات تھے۔

درسی خصوصیات: حضرت کا پڑھانے کا نداز بہت شان دار تھا، پڑھانے کا انداز نہایت علمی اور عام فہم ہوتا تھا آپ ہر طالب علم کی علمی استعداد اور صلاحیت کے مطابق پڑھاتے تھے، اور چوں کہ آپ کے پاس آنے والوں میں اکثر علماء ہوتے تھے اس لیے نہایت علمی انداز میں

درس ہوتا تھا، ادق اور مشکل مسائل کو آسان انداز میں سمجھا دینا آپ کا شاندار وصف تھا۔

علمی مقام اور حافظہ: آپ کو ''شاطبیہ، عقیلۃ اتراب القصائد، الدرّۃ المضیئۃ اور طیبۃ النشر'' وغیرہ زبانی یاد تھیں، حضرت قاری سراج الحق صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے قاری صاحبؒ کو کبھی لقمہ لیتے ہوئے نہیں سنا، اور فرماتے تھے کہ قاری صاحبؒ نے شہنشاہ اجنہ 'شمہورش' کو بھی جدہ میں قرآن سنایا تھا۔

تصانیف وتالیفات: آپؒ نے تین کتابیں تصنیف فرمائی ہیں:

☆......(۱)فوائد مکیہ (تجوید میں نہایت مختصر مگر جامع کتاب ہے)

☆......(۲)التدقیق الحلی فی تحقیق النون الخفی (نون مخفاۃ کی ادائیگی سے متعلق نہایت علمی اور محققانہ مضمون ہے)

☆......(۳)افضل الدرر شرح عقیلۃ اتراب القصائد (علامہ شاطبیؒ کے رسم الخط سے متعلق کتاب کی عربی شرح ہے)

وفات حسرت آیات: اخیر عمر میں آپ احیاء العلوم سے مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ تشریف لائے تھے، اور یہیں ایک روز علیل رہ کر ۶ رجمادی الاولیٰ ۱۳۴۹ھ مطابق: ۱۹۳۰ء بروز پیر علم وعمل کا یہ آفتاب ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون**

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے　　سبزۂ نورُستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

گرچہ آپ اس دنیا سے رخصت ہوگیے، لیکن

دل ہمارے یادِ عہدِ رفتہ سے خالی نہیں　　اپنے شاہوں کو یہ امت بھولنے والی نہیں

یہ تمام تر تفصیلات، شرح فوائد مکیہ، شیخ محمد ادریس عاصم، قاری جمشید علی صاحب دار العلوم دیو بند، قاری احمد اللہ صاحب شیخ القراء جامعہ ڈابھیل اور قاری محمد صدیق صاحب سانسرودی جامعہ فلاح دارین کے لکھے ہوئے حالات سے ماخوذ ہیں)

مقدمۃ الکتاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدلله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدالمرسلين سيدنا و نبيناو شفيعناو مولانامحمدو آله واصحابه وازواجه وذرياته اجمعين۔

جاننا چاہیے کہ قرآن مجید کو قواعد تجوید سے پڑھنا نہایت ہی ضروری ہے۔

اگر تجوید سے قرآن مجید نہ پڑھا گیا تو پڑھنے والا خطاوار کہلائے گا۔

پھر اگر ایسی غلطی ہوئی کہ ایک حرف دوسرے حرف سے بدل گیا یا کوئی حرف گھٹا بڑھا دیا گیا، یا حرکات میں غلطی کی، یا ساکن کو متحرک یا متحرک کو ساکن کردیا۔ تو پڑھنے والا گنہ گار ہوگا۔

اور اگر ایسی غلطی ہوئی جس سے لفظ کا ہر حرف مع حرکت اور سکون کے ثابت رہے، صرف بعض صفات جو تحسینِ حرف سے تعلق رکھتے ہیں اور غیر ممیّزہ ہیں؛ یہ اگر ادا نہ ہوں تو خوف عقاب اور تہدید کا ہے۔

پہلی قسم کی غلطیوں کو لحن جلی اور دوسری قسم کی غلطیوں کو لحن خفی کہتے ہیں۔

تجوید کے معنی: ہر حرف کو اپنے مخرج سے مع جمیع صفات کے ادا کرنا۔

اس کا موضوع: حروفِ تہجی ...... اور ...... غایت تصحیحِ حروف ہے۔

اور خوش آوازی سے پڑھنا امر زائد مستحسن ہے اگر قواعد تجوید کے خلاف نہ ہو۔ ورنہ مکروہ، اگر لحن خفی لازم آئے۔

اور اگر لحن جلی لازم آئے تو حرام وممنوع ہے۔ پڑھنا اور سننا دونوں کا ایک حکم ہے۔

باب اول- فصل اول

استعاذہ اور بسملہ کے بیان میں

قرآن مجید شروع کرنے سے پہلے استعاذہ ضروری ہے اور الفاظ اس کے یہ ہیں''اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم'' گو اور طرح سے بھی ثابت ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ انہیں الفاظ سے استعاذہ کیا جائے۔

اور جب سورت شروع کی جائے تو''بسم اللہ'' کا پڑھنا بھی نہایت ضروری ہے سوائے سورۂ''براءۃ'' کے۔

اور اوساط اور اجزا میں اختیار ہے چاہے بسم اللہ پڑھے اور چاہے نہ پڑھے۔

اعوذ اور بسم اللہ پڑھنے میں چار صورتیں ہیں:

(۱) فصل کل (۲) وصل کل (۳) فصل اول وصل ثانی (۴) وصل اول فصل ثانی۔

جب ایک سورت کو ختم کر کے دوسری سورت شروع کریں، تو تین صورتیں جائز ہیں اور چوتھی صورت جائز نہیں۔

یعنی فصل کل اور وصل کل اور فصل اول وصل ثانی جائز ہے۔ اور وصل اول فصل ثانی جائز نہیں۔

فائدہ: امام عاصمؒ کے نزدیک جن کی روایتِ حفص تمام جہان میں پڑھی جاتی ہے، ان کے یہاں بسم اللہ ہر سورہ کا جزو ہے تو اس لحاظ سے جس سورہ کو قاری بلا بسم اللہ پڑھے گا تو وہ سورہ امام عاصم کے نزدیک ناقص ہوگی۔

ایسے ہی اگر سارا قرآن پڑھا جائے تو جتنی سورتوں میں بسم اللہ نہیں پڑھی ہے اتنی آیتیں قرآن شریف میں ناقص ہوں گی۔

فائدہ: اگر درمیان قراءت کے کوئی کلامِ اجنبی ہوگیا، گوکہ سلام کا جواب ہی کسی کو دیا ہوتو پھر سے استعاذہ دہرانا چاہیے۔

قراءتِ جہریہ میں استعاذہ جہر کے ساتھ ہونا چاہیے۔ اور اگر آہستہ سے یا دل میں استعاذہ کرلیا جائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ (بعض کا قول ایسا ہے)

دوسری فصل

مخارج کے بیان میں

مخارج حروف کے چودہ ہیں:

پہلا مخرج: اقصائے حلق اس سے (ا، ء، ہ) نکلتے ہیں۔

دوسرا مخرج: وسطِ حلق اس سے (ع، ح) نکلتے ہیں۔

تیسرا مخرج: ادنائے حلق اس سے (غ، خ) نکلتے ہیں۔

چوتھا مخرج: اقصائے لسان اور اوپر کا تالو اس سے (ق) نکلتا ہے۔

پانچواں مخرج: قاف کے مخرج سے ذرا منہ کی طرف ہٹ کر اس سے (ک) نکلتا ہے۔ ان دونوں حرفوں کو یعنی (ق اور ک) کو حروفِ لہویہ کہتے ہیں۔

چھٹا مخرج: وسطِ لسان اس سے (ج، ش، ی) نکلتے ہیں۔

ساتواں مخرج: حافۂ لسان اور ڈاڑھوں کی جڑ اس سے (ض) نکلتا ہے۔

آٹھواں مخرج: طرفِ لسان اور دانتوں کی جڑ اس سے (ل، ن، ر) نکلتے ہیں۔

نواں مخرج: نوکِ زبان اور ثنایا علیا کی جڑ اس سے (ط، د، ت) نکلتے ہیں۔

دسواں مخرج: نوکِ زبان اور ثنایا علیا کا کنارہ اس سے (ظ، ذ، ث) نکلتے ہیں۔

گیارہواں مخرج: نوکِ زبان اور ثنایا سفلیٰ کا کنارہ مع اتصال ثنا ثا علیا کے۔ اس سے (ص، ز، س) نکلتے ہیں۔

بارہواں مخرج: نیچے کا لب اور ثنایا علیا کا کنارہ اس سے (ف) نکلتا ہے۔
تیرہواں مخرج: دونوں لب اس سے (ب،م،و) نکلتے ہیں۔
چودہواں مخرج: خیشوم اس سے غنہ نکلتا ہے۔ مراد اس سے نون مخفیٰ و مدغم بادغامِ ناقص ہے۔

فائدہ: یہ مذہب فراء وغیرہ کا ہے۔ اور سیبویہ کے نزدیک سولہ مخارج ہیں، انھوں نے (ل) کا مخرج حافۂ لسان اس کے بعد (ن) کا مخرج کہا ہے اس کے بعد (ر) کا مخرج ہے۔ اور خلیل کے نزدیک سترہ ہیں، انھوں نے (ل، ن، ر) کا مخرج جدا جدا رکھا ہے۔ اور حرف علت جب مدہ ہوں ان کا مخرج جوف کہا ہے۔

تیسری فصل

صفات کے بیان میں

☆......**جھر**: کے معنی شدت اور زور سے پڑھنے کے ہیں۔

☆......اس کی ضد ہمس ہے یعنی نرمی کے ساتھ پڑھنا اور اس کے دس حرف ہیں جن کا مجموعہ ''فحثه شخص سكت'' ہے۔ ان حروف کے ماسوا سب مجہورہ ہیں۔

☆......**شدیدہ**: کے آٹھ حروف ہیں جن کا مجموعہ ''اجدقط بكت'' ہے۔ ان کے سکون کے وقت آواز رک جاتی ہے۔

پانچ حروف متوسطہ ہیں جن کا مجموعہ ''لن عمر'' ہے، ان میں بالکل آواز بند نہیں ہوتی۔

☆......باقی حروف ماسوا شدیدہ اور متوسطہ کے سب رخوہ ہیں، یعنی ان کی آواز جاری ہوسکتی ہے۔

☆......''خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ'' یہ حروف متصف ہیں ساتھ استعلاء کے، یعنی ان کو ادا

کرتے وقت اکثر حصہ زبان کا تالو کی طرف بلند ہو جاتا ہے۔

☆......ان کے ماسوا سب حروف استفال کے ساتھ متصف ہیں۔ان کو ادا کرتے وقت اکثر حصہ زبان کا بلند نہ ہو گا۔

☆......''ص،ط،ظ،ض'' یہ حروف متصف ہیں ساتھ اطباق کے۔یعنی ان کو ادا کرتے وقت اکثر حصہ زبان کا تالو سے مل جاتا ہے۔

☆......ان چار حرفوں کے سوا باقی حروف انفتاح سے متصف ہیں۔یعنی ان کے ادا کرتے وقت اکثر زبان تالو سے ملتی نہیں۔

یہ صفات جو ذکر کیے گیے ہیں متضادہ ہیں، جہر کی ضد ہمس ہے۔اور رخوہ کی ضد شدت ہے۔اور استعلاء کی ضد استفال ہے۔اور اطباق کی ضد انفتاح ہے۔

تو ہر حرف چار صفتوں کے ساتھ ضرور متصف ہو گا، باقی صفات کی ضد نہیں ہے۔

☆......قلقلہ کے پانچ حروف ہیں، جن کا مجموعہ ''قطب جد'' ہے، مگر قاف میں قلقلہ واجب باقی چار حروف میں جائز ہے، قلقلہ کے معنی مخرج میں جنبش دینا سختی کے ساتھ۔

☆......ر میں صفت تکرار کی ہے مگر اس سے جہاں تک ممکن ہو احتراز کرنا چاہیے۔

☆......ش میں صفت تفشی ہے، یعنی منہ میں صوت پھیلتی ہے۔

☆......اور ض میں صفت استطالہ ہے۔

☆......اور ص،ز،س حروف صفیرہ کہلاتے ہیں۔

☆......ن،م میں ایک صفت یہ بھی ہے کہ ناک میں آواز جاتی ہے، اور کسی حرف میں یہ صفت نہیں ہے۔

اور ان صفاتِ متضادہ سے چار صفتیں یعنی جہر، شدت، استعلاء، اطباق قویہ ہیں باقی ضعیف ہیں۔اور صفاتِ غیر متضادہ سب قویہ ہیں۔تو ہر حرف میں جتنی صفتیں قوت کی ہوں گی اتنا ہی حرف قوی ہو گا۔اور جتنی صفتیں ضعف کی ہوں گی اتنا ہی ضعیف ہو گا۔

حروف کی باعتبار قوت اور ضعف، پانچ قسمیں ہیں:

قوی۔ اقویٰ۔ متوسط۔ ضعیف۔ اضعف۔

ج، د، ص، غ، ر، ب: **قوی ہیں**۔ ط، ض، ظ، ق: **اقویٰ ہیں**۔ اور ء، ا، ز، ت، خ، ذ، ع، ك: متوسط ہیں۔ س، ش، ل، و، ی: **ضعیف ہیں**۔ اور ث، ح، ن، م، ف، ہ: **اضعف ہیں**۔

فائدہ: ہمزہ میں شدت اور جہر کی وجہ سے کسی قدر سختی ہے مگر نہ اس قدر کہ ناف ہل جائے ناف سے حروف کو کچھ علاقہ نہیں۔

فائدہ: ف، ہ یہ دونوں حرف اضعف الحروف ہیں، نہایت ہی نرمی سے ادا ہونا چاہیے۔

فائدہ: حرف ع، ح کے ادا کرتے وقت گلا نہ گھونٹا جائے، بل کہ وسط حلق سے نہایت لطافت سے بلا تکلف نکالنا چاہیے۔

چوتھی فصل ہر حرف کی صفات لازمہ کے بیان میں

نمبر شمار	اشکالِ حروف	اسمائے صفـــــاتِ لازمـــــہ					
۱	ا	مجھور	رخو	مستفل	منفتح	مدہ	مفخم یامرقق
۲	ب	مجھور	شدید	مستفل	منفتح	مقلقل	....
۳	ت	مھموس	شدید	مستفل	منفتح	....	....
٤	ث	مھموس	رخو	مستفل	منفتح	....	....
٥	ج	مجھور	شدید	مستفل	منفتح	مقلقل	....
٦	ح	مھموس	رخو	مستفل	منفتح	....	....
۷	خ	مھموس	رخو	مستعل	منفتح	....	مفخم
۸	د	مجھور	شدید	مستفل	منفتح	مقلقل	....

٩	ذ	مجهور	رخو	مستفل	منفتح	....	....
١٠	ر	مجهور	متوسط	مستفل	منفتح	تكرار	مفخم يامرقق
١١	ز	مجهور	رخو	مستفل	منفتح	صفير	....
١٢	س	مهموس	رخو	مستفل	منفتح	صفير	....
١٣	ش	مهموس	رخو	مستفل	منفتح	تفشی	....
١٤	ص	مهموس	رخو	مستعل	مطبق	صفير	مفخم
١٥	ض	مجهور	رخو	مستعل	مطبق	مستطيل	مفخم
١٦	ط	مجهور	شديد	مستعل	مطبق	مقلقل	مفخم
١٧	ظ	مجهور	رخو	مستعل	مطبق	....	مفخم
١٨	ع	مجهور	متوسط	مستفل	منفتح	....	....
١٩	غ	مجهور	رخو	مستعل	منفتح	....	مفخم
٢٠	ف	مهموس	رخو	مستفل	منفتح	....	....
٢١	ق	مجهور	شديد	مستعل	منفتح	مقلقل	مفخم
٢٢	ك	مهموس	شديد	مستفل	منفتح	....	....
٢٣	ل	مجهور	متوسط	مستفل	منفتح	....	مفخم يامرقق
٢٤	م	مجهور	متوسط	مستفل	منفتح	غنه	....
٢٥	ن	مجهور	متوسط	مستفل	منفتح	غنه	....
٢٦	و	مجهور	رخو	مستفل	منفتح	....	مده ياغيرمده
٢٧	ه	مهموس	رخو	مستفل	منفتح	....	....
٢٨	ء	مجهور	شديد	مستفل	منفتح	....	....
٢٩	ى	مجهور	رخو	مستفل	منفتح	....	مده ياغيرمده

پانچویں فصل

صفاتِ ممیّزہ کے بیان میں

حروف اگر صفاتِ لازمہ میں مشترک ہوں تو مخرج سے ممتاز ہوتے ہیں۔ اور اگر مخرج میں متحد ہوں تو صفتِ لازمہ منفردہ سے ممتاز ہوتے ہیں۔

جن حرفوں میں تمایز بالمخرج ہے ان کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ حروفِ متحدہ فی المخرج کے بیان کرنے کی ضرورت ہے۔

☆......ا، ء، ہ: میں الف ممتاز ہے مدیت میں اور ''ء'' ممتاز ہے ''ہ'' سے جہر اور شدت میں باقی صفات میں یہ دونوں متحد ہیں۔

☆...... ع، ح: ح میں ہمس اور رخاوت ہے ''ع'' میں جہر و توسط باقی میں اتحاد۔

☆...... غ خ: غ میں جہر ہے باقی میں اتحاد۔

☆......ج، ش، ی: ج میں شدت ہے ''ش'' میں ہمس و تفشی ہے باقی استفال اور انفتاح میں تینوں مشترک ہیں، اور جہر میں ''ج ی'' اور رخاوت میں ''ش ی'' مشترک ہیں۔

☆...... ط، د، ت: شدت میں اشتراک اور ''ط د'' جہر میں بھی مشترک ہیں اور ''ت د'' استفال و انفتاح میں مشترک ہے اور ''ط'' میں اطباق استعلاء ہے اور ''ت'' میں ہمس ہے۔

☆...... ظ، ذ، ث: کا رخاوت میں اشتراک ہے اور ''ظ ذ'' جہر میں اور ''ذ ث'' استفال انفتاح میں مشترک ہیں اور ''ظ'' ممیّزہ صفت، استعلاء اطباق ہے اور ''ذ ث'' میں صفت ممیّزہ جہر ہمس ہے۔

☆...... ص، ز، س: رخاوت صفیر میں مشترک اور ''ص س'' ہمس میں اور ''ز س'' استفال انفتاح میں مشترک ہیں اور ''ص'' میں صفتِ ممیّزہ استعلاء اطباق اور ''ز س'' میں جہر ہمس ہے۔

☆......ل، ن، ر: جہر توسط استفال انفتاح میں مشترک ہیں اور ''ل ر'' انحراف میں مشترک ہیں اور ان میں تمایز مخرج سے ہے۔

اسی واسطے سیبویہ اور خلیل نے ان کا مخرج الگ ترتیب وار رکھا ہے اور فراء نے قرب کا لحاظ کر کے ایک مخرج بیان کیا ہے، دوسرے یہ کہ ''ن'' میں غنہ ہے اور ''ر'' میں تکرار۔

☆......و، ب، م: جہر استفال انفتاح میں مشترک اور ''و'' کے ادا کرتے وقت شفتین میں کسی قدر انفتاح رہتا ہے اس وجہ سے اپنے مجانسوں سے ممتاز ہو جاتا ہے، گویا اس میں بھی تمایز بالمخرج ہے اور ''ب'' میں شدت اور قلقلہ اور ''م'' میں توسط اور غنہ ممیّزہ ہیں۔

☆......اور ض، ظ: میں جہر رخاوت استعلاء اطباق ہے اور ''ض'' میں استطالہ ہے اور ممیّز مخرج ہے، مگر اشتراکِ صفاتِ ذاتیہ کی وجہ سے فرق کرنا اور ایک کو دوسرے سے ممتاز کرنا ماہرین کا کام ہے اور ماہر کے فرق کو بھی ماہر ہی خوب سمجھتا ہے۔

باب دوسرا

پہلی فصل

تفخیم اور ترقیق کے بیان میں

حروف مستعلیہ ہمیشہ ہر حال میں پُر پڑھے جائیں گے اور حروف مستفلہ سب باریک پڑھے جاتے ہیں مگر الف اور اللہ کا لام اور راء کہیں باریک اور کہیں پُر ہوتے ہیں۔

الف کے پہلے پُر حرف ہو گا تو الف بھی پُر ہو گا اور اس کے پہلے کا حرف باریک ہو گا تو الف بھی باریک ہو گا۔

اور اللہ کے لام کے پہلے زبر یا پیش ہو تو پُر ہو گا مثل ''وَاللّٰہُ، اَللّٰہُ، رَفَعَہُ اللّٰہُ''
اگر اس کے پہلے زیر ہو تو باریک ہو گا مثل ''لِلّٰہِ''۔

ر: متحرک ہوگی یا ساکن، اگر متحرک ہے تو فتحہ اور ضمہ کی حالت میں پُر ہوگی اور کسرہ کی حالت میں باریک ہوگی مثل ''رَعْدٌ، رُزِقُوْا، رِزْقًا''۔

اور اگر ''ر'' ساکن ہے تو اس کے ماقبل متحرک ہوگا یا ساکن، اگر ماقبل متحرک ہے تو فتحہ اور ضمہ کی حالت میں پُر ہوگی اور کسرہ کی حالت میں باریک ہوگی مثل ''یُرْزَقُوْنَ، بَرْقٌ شِرْعَۃٌ''۔

مگر جب ''ر'' ساکن کے ماقبل کسرہ دوسرے کلمہ میں ہو مثل ''رَبِّ ارْجِعُوْنِیْ'' یا کسرہ عارضی ہو مثل ''اَمِ ارْتَابُوْا، اِنِ ارْتَبْتُمْ''۔

''ر'' ساکن کے بعد حرف استعلاء کا اسی کلمہ میں ہو جس کلمہ میں ''ر'' ہے تو یہ ''ر'' باریک نہ ہوگی بل کہ پُر ہوگی مثل ''قِرْطَاسٌ، فِرْقَۃٌ''۔ اور ''فِرْقٍ'' میں خلف ہے۔

اور اگر ''ر'' موقوفہ بالاسکان یا بالاشمام کے ماقبل سوائے ''ی'' کے اور کوئی حرف ساکن ہو تو اس کا ماقبل دیکھا جائے گا۔

اگر مفتوح یا مضموم ہے تو ''ر'' پُر ہوگی مثل ''قَدْرْ، اُمُوْرْ''۔

اور اگر مکسور ہے تو ''ر'' باریک ہوگی مثل ''سِحْرْ'' کے۔

اگر ساکن ''ی'' ہو تو باریک ہوگی جیسے ''خَیْرْ، ضَیْرْ، خَبِیْرْ، قَدِیْرْ''۔

''ر'' مرامہ یعنی موقوفہ بالروم اپنی حرکت کے موافق پڑھی جائے گی۔

اور ''ر'' ممالہ باریک ہی پڑھی جائے گی مثل ''مَجْرٖیھَا''۔

فائدہ: راء مشدد؛ حکم میں ایک راء کے ہوتی ہے جیسی حرکت ہوگی اسی کے موافق پڑھی جائے گی، پہلی دوسری کے تابع ہوگی۔

فائدہ : حروف مفخمہ میں تفخیم ایسی افراط سے نہ کی جائے کہ وہ حرف مشدد سنائی دے یا کسرہ مشابہ فتحہ کے یا فتحہ مشابہ ضمہ کے۔ یا مفخم حرف کے بعد الف ہے تو وہ ''واؤ'' کی طرح ہو جائے۔۔۔تفخیم میں مراتب ہیں:

حرف مفخم مفتوح جس کے بعد الف ہو تو اس کی تفخیم اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے مثل ''طَالَ''۔

اس کے بعد مفتوح جو الف کے قبل نہ ہو مثل ''اِنۡطَلِقُوۡا''۔

اس کے بعد مضموم مثل ''مُحِيۡطٌ''۔ اس کے بعد مکسور مثل ''ظِلٍّ، قِرۡطَاسٍ''۔

اور ساکن مفخم ماقبل کی حرکت کے تابع ہے، مثل ''يَقۡطَعُوۡنَ، يُرۡزَقُوۡنَ، مِرۡصَادًا''۔

اب معلوم ہوا کہ حرف مفخم کے فتحہ کو مانند ضمہ کے اور اس کے مابعد کے الف کو مانند ''واؤ'' کے پڑھنا بالکل خلاف اصل ہے۔

ایسا ہی حرف مرقق کے فتحہ کو اس قدر مرقق کرنا کہ مانند امالۂ صغریٰ کے ہو جائے یہ خلاف قاعدہ ہے۔ یہ افراط و تفریط کلامِ عرب میں نہیں ہے، یہ اہل عجم کا طریقہ ہے۔

دوسری فصل

نون ساکن اور تنوین کے بیان میں

نون ساکن اور تنوین کے چار حال ہیں:

(۱) اظہار (۲) ادغام (۳) قلب (۴) اخفاء۔

حرف حلقی؛ نون ساکن اور تنوین کے بعد آوے تو اظہار ہوگا مثل ''يَنۡعِقُ، عَذَابٌ أَلِيۡمٌ''۔

اور جب نون ساکن اور تنوین کے بعد ''يَرۡمَلُوۡنَ'' کے حروف سے کوئی حرف

آوے تو ادغام ہوگا، مگر ''ل، ر'' میں ادغام بلا غنہ ہوگا، اور ادغام بالغنہ بھی نون ساکن اور تنوین میں ثابت ہے، مگر نون ساکن میں یہ شرط ہے کہ مقطوع یعنی مرسوم ہو، اور اگر موصول ہے یعنی مرسوم نہیں ہے تو غنہ جائز نہیں۔

باقی حروف میں بالغنہ ہوگا مثل ''مَنْ یَّقُوْلُ، مِنْ وَّالٍ، هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ، مِنْ رَّبِّهِمْ'' چار لفظ یعنی ''دُنْيَا، قِنْوَانٌ، بُنْيَانٌ، صِنْوَانٌ'' ان میں ادغام نہ ہوگا اظہار ہوگا۔

اور جب نون ساکن اور تنوین کے بعد ''ب'' آئے تو نون ساکن اور تنوین کو میم سے بدل کر اخفاء مع الغنہ کریں گے مثل ''مِنْ بَعْدِ، صُمٌّ بُكْمٌ''۔

باقی پندرہ حرفوں میں اخفاء مع الغنہ ہوگا، مثل ''تُنْفِقُوْنَ، اَنْدَادًا'' وغیرہ کے۔

تیسری فصل

میم ساکن کے بیان میں

میم ساکن کے تین حال ہیں: (۱) ادغام (۲) اخفاء (۳) اظہار۔

میم ساکن کے بعد دوسری میم آئے تو ادغام ہوگا مثل ''اَمْ مَّنْ''۔

اور اگر میم ساکن کے بعد ''ب'' آئے تو اخفاء ہوگا، اور اظہار بھی جائز ہے بشرطیکہ میم منقلب نون ساکن اور تنوین سے نہ ہو مثل ''وَمَاهُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ''۔

باقی حروف میں اظہار ہوگا مثل ''عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ، كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ'' کے۔

فائدہ: بوف کا قاعدہ جو مشہور ہے، یعنی میم ساکن کے بعد ''ب'' آئے تو اخفاء ہوگا اور ''وف'' آئے تو اظہار اس طرح کیا جائے کہ میم کے سکون میں حرکت کی بو آجائے، یہ اظہار بالکل بے اصل ہے، بل کہ میم کا سکون بالکل تام ہونا چاہیے، حرکت کی ہوا بھی نہ لگے۔

❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀

چوتھی فصل

حرف غنہ کے بیان میں

نون میم مشدد ہوتو غنہ ہوگا، ایسے ہی نون ساکن اور تنوین کے آگے سوائے حرف حلقی اور ''لام، ر'' کے جو حرف آئے گا، غنہ ہوگا۔

ایسے ہی میم ساکن کے بعد ''ب'' آئے تو اخفاء کی حالت میں غنہ ہوگا، غنہ کی مقدار ایک الف ہے۔

پانچویں فصل

ہائے ضمیر کے بیان میں

ہائے ضمیر کے ماقبل کسرہ یا ''یائے'' ساکنہ ہوتو ہائے ضمیر مکسور ہوگی مثل ''بِہٖ وَاِلَیْہِ'' کے۔

مگر دو جگہ مضموم ہوگی ایک ''وَمَآاَنْسَانِیْہُ'' سورۂ کہف میں دوسرے ''عَلَیْہُ اللّٰہَ'' سورۂ فتح میں۔ اور دو لفظ میں ساکن ہوگی ایک تو ''اَرْجِہْ'' اور دوسرا ''فَاَلْقِہْ''۔

اور جب ضمیر کے ماقبل نہ کسرہ ہو نہ یائے ساکنہ تو مضموم ہوگی مثل ''لَہٗ، رَسُوْلُہٗ، مِنْہُ، اَخَاہُ، رَاَیْتُمُوْہُ''۔ مگر ''وَیَتَّقْہِ فَاُولٰٓئِکَ'' میں مکسور ہوگی۔

اور جب ہائے ضمیر کے ماقبل اور مابعد متحرک ہوتو ضمیر کی حرکت اشباع کے ساتھ پڑھی جائے گی، یعنی اگر ضمیر پر ضمہ ہوتو اس کے مابعد واؤ ساکن زائد ہوگا اگر ضمیر پر کسرہ ہے تو اس کے مابعد یائے ساکنہ زائد ہوگی مثل ''مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ، وَرَسُوْلُہٗ اَحَقُّ''۔

مگر ایک جگہ اشباع نہ ہوگا یعنی ''وَاِنْ تَشْکُرُوْا یَرْضَہُ لَکُمْ'' اس کا ضمہ غیر موصولہ

پڑھا جائے گا۔

اور اگر ماقبل یا مابعد ساکن ہو تو اشباع نہ ہوگا مثل ''مِنْهُ، وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ'' مگر ''فِيْهٖ مُهَانًا'' جو سورۂ فرقان میں ہے اس میں اشباع ہوگا۔

چھٹی فصل

ادغام کے بیان میں

ادغام تین قسم پر ہے: (۱) مثلین (۲) متجانسین (۳) متقاربین۔

☆......اگر حرف مکرر میں ادغام ہوا ہے تو ادغام مثلین کہلائے گا مثل ''اِذْذَّهَبَ''۔

☆......اور اگر ادغام ایسے دو حرفوں میں ہوا ہے جن کا مخرج ایک گنا جاتا ہے تو اس ادغام کو ادغام متجانسین کہتے ہیں مثل ''وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ''۔

☆......اور اگر ادغام ایسے دو حرفوں میں ہوا ہے کہ وہ دو حرف نہ مثلین ہیں نہ متجانسین، تو ادغام متقاربین کہلائے گا مثل ''اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ''۔

پھر ادغام متجانسین اور متقاربین دو قسم پر ہے: (۱) ناقص اور (۲) تام۔

☆......اگر پہلے حرف کو دوسرے حرف سے بدل کر ادغام کیا ہے تو ادغام تام کہلائے گا مثل ''قُلْ رَّبِّ'' اور ''قَالَتْ طَّآئِفَةٌ، عَمَّ''۔

☆......اور اگر پہلے حرف کی کوئی صفت باقی ہے تو ادغام ناقص ہوگا مثل ''مَنْ يَّقُوْلُ، مِنْ وَّالٍ'' اور ''بَسَطْتَّ، اَحَطْتُّ'' کے۔

☆......مثلین اور متجانسین کا پہلا حرف جب ساکن ہو تو ادغام واجب ہے، مثل ''اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ، وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ، عَبَدْتُّمْ، اِذْظَّلَمُوْا، اِذْذَّهَبَ، قَدْتَّبَيَّنَ، قَدْدَّخَلُوْا، قُلْ رَّبِّىْ، بَلْ رَّفَعَهُ'' اور ''يَلْهَثْ ذّٰلِكَ، يٰبُنَىَّ ارْكَبْ مَّعَنَا'' میں اظہار بھی ثابت ہے۔

☆......اور جب دو واؤ یا دو یا جمع ہوں اور پہلا حرف مدہ ہو مثل ''قَالُوْا وَهُمْ، فِیْ يَوْمٍ'' تو ادغام نہ ہوگا۔

☆......ایسے ہی حرف حلقی، کسی حرف غیر حلقی میں مثل ''لَاتُزِغْ قُلُوْبَنَا''۔

☆......اور اپنے مجانس میں مثل ''فَاصْفَحْ عَنْهُمْ'' مدغم نہ ہوگا۔

☆......اور اپنے مماثل میں مدغم ہوگا مثل ''يُوَجِّهْهُ، مَالِيَهْ هَّلَكَ''۔

☆......ایسے ہی لام کا ادغام ''ن'' میں نہ ہوگا مثل ''قُلْنَا''۔

فائدہ: لام تعریف اگر ان چودہ حرف کے قبل آئے تو اظہار ہوگا اور چودہ حرف یہ ہیں: ''ابغ حجّك و خف عقيمه'' اور ان کو حروف قمریہ کہتے ہیں جیسے ''الآن، البخل، الغرور، الحسنة، بالجنود، الكوثر، الواقعة، الخائبين، الفائزون، العُلى، القانتين، اليوم، المحسنات''۔

باقی چودہ حرفوں میں ادغام کیا جائے گا جن کو حروف شمسیہ کہتے ہیں جیسے: ''والصافات، وَالذّاريات، الثّاقب، الدّاعى، التّائبون، الزّانى، السالكين، الرَّحمن، الشمس، وَلا الضّالين، الطّارق، الظالمين، الله، النَّجم''۔

فائدہ: نون ساکن اور تنوین کا ادغام ''ی'' اور ''واؤ'' میں اور ''ط'' کا ادغام ''ت'' میں ناقص ہوگا اور ''الم نخلقكم'' میں ادغام ناقص بھی جائز ہے، مگر ادغام تام اولیٰ ہے۔ اور ''ن والقلم'' اور ''يس والقرآن'' میں اظہار ہوگا اور ادغام بھی ثابت ہے۔

فائدہ: ''عوجا قيّما'' سورۂ کہف میں اور ''من رّاق'' سورۂ قیامہ میں اور ''بل رّان'' سورۂ مطففین میں اظہار ہوگا، سکتہ کی وجہ سے۔

ایک جگہ حفص کی روایت میں اور بھی سکتہ ہے یعنی ''مِنْ مَّرْقَدِنَا'' سورۂ یٰسین میں۔ اور چوں کہ سکتہ ایک لحاظ سے حکم وقف کا رکھتا ہے اس وجہ سے ''عِوَجًا'' کی تنوین کو الف

سے بدل دیا جائے گا۔ اور حفصؒ کی روایت میں ترک سکتہ بھی ان مواضع میں ثابت ہے تو اس وقت موضع اول میں اخفاء ہوگا اور ثانیین میں ادغام ہوگا۔

فائدہ: مشدد حرفوں میں دیر دو حرف کی ہوتی ہے۔

فائدہ: جب دو حرف مثلین غیر مدغم ہوں تو ہر ایک کو خوب ظاہر کر کے پڑھنا چاہیے، مثل ''اعيننا، شركـكم، يحيٖ، داؤد''۔

ایسا ہی متقاربین متصل ہوں یا قریب قریب ہوں اور ادغام نہ کیا جائے تو بھی خوب ہر ایک کو صاف پڑھنا چاہیے مثل ''قدجاء، قدضلّوا، اذتقول، اذزيّن''۔

ایسا ہی جب دو حرف ضعیف جمع ہوں، مثل ''جباههم''۔

یا قوی حرف کے قریب ضعیف حرف ہو، مثل ''اهدنا''۔

یا دو حرف مفخم متصل یا قریب ہوں، مثل ''مضطر، صلصال''۔

یا دو حرف مشدد قریب یا متصل ہوں، مثل ''ذُرِّيَّتَهٗ، مُطَّهَّرِيْنَ، مِنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى، لُجِّيٍّ يَّغْشٰهُ، وَعَلٰى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ''۔

ایسا ہی دو حرف متشابہ الصوت جمع ہوں مثل ''ص، س-ط، ت-ض، ظ، ذ-ق، ك''تو ہر ایک کو ممتاز کر کے پڑھنا چاہیے اور جو صفت جس کی ہے اس کو پوری طور سے ادا کرنا چاہیے۔

ساتویں فصل

ہمزہ کے بیان میں

جب دو ہمزہ؛ متحرک جمع ہوں اور دونوں قطعی ہوں تو تحقیق سے یعنی خوب صاف طور سے پڑھنا چاہیے مگر ''ءَ اعجميّ ''جو سورۂ حمٓ سجدہ میں ہے، اس کے دوسرے ہمزہ میں

تسہیل ہوگی۔

اور اگر پہلا ہمزہ استفہام کا ہے اور دوسرا ہمزہ، وصلی مفتوح ہے تو جائز ہے دوسرے ہمزہ میں تسہیل اور ابدال، مگر ابدال اولیٰ ہے، اور یہ چھ جگہ ہے "آلْئٰن" سورۂ یونس میں دو جگہ۔ "ءٰالذّٰکرین" سورۂ انعام میں دو جگہ ہے۔ "آللّٰہُ" دو جگہ ہے ایک سورۂ یونس میں دوسرا سورۂ نمل میں ہے۔

اور جب پہلا ہمزہ؛ استفہام کا ہو اور دوسرا ہمزہ، وصلی مفتوح نہ ہو تو یہ دوسرا ہمزہ حذف کیا جائے گا مثل "اَفْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ، اَصْطَفَی الْبَنَاتِ، اَسْتَکْبَرْتَ"۔

اور فتحہ کی حالت میں جو حذف نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں التباس، انشاء کا خبر کے ساتھ ہو جائے گا اور چوں کہ ہمزۂ وصلی وسطِ کلام میں حذف ہوتا ہے، اس وجہ سے اس میں تغیر کیا جاتا ہے اسی وجہ سے ابدال اولیٰ ہے، کیوں کہ اس میں تغیر تام ہے بخلاف تسہیل کے۔

اور جب دو ہمزہ جمع ہوں اور پہلا متحرک دوسرا ساکن ہو تو واجب ہے ہمزۂ ساکن کو پہلے ہمزہ کی حرکت کے موافق حرف مد سے بدلنا مثل "اٰمَنُوْا، اِیْمَانًا، اُوْتُمِنَ، اِیْتِ"۔

اور جب پہلا ہمزہ وصلی ہو تو ابتدا کی حالت میں ہمزۂ ساکنہ بدلا جائے گا اور جب ہمزۂ وصلی گر جائے گا تب ابدال نہ ہوگا مثل "اَلَّذِیْ اؤْتُمِنَ، فِیْ السَّمٰوٰاتِ ائْتُوْنِیْ فَرْعَوْنُ ائْتُوْنِیْ"۔

ہمزۂ وصلی کے ماقبل جب کوئی کلمہ بڑھایا جائے گا تو یہ ہمزہ حذف کیا جائے گا اور ثابت رکھنا درست نہیں، البتہ ابتدا میں ثابت رہتا ہے۔

اب اگر لامِ تعریف کا ہمزہ ہے تو مفتوح ہوگا۔

اور اگر کسی اسم کا ہمزہ ہے تو مکسور ہوگا۔

اور اگر فعل کا ہے تو تیسرے حرف کا ضمہ، اگر اصلی ہے تو ہمزہ بھی مضموم ہوگا ورنہ مکسور، مثل ''اَلَّذِیْنَ، اِسْمٌ، اِبْنٌ، اِنْتِقَامٌ، اُجْتُثَّتْ، اِضْرِبْ، اِنْفَجَرَتْ، اِفْتَحْ اور اِمْشُوْا، اِتَّقُوْا، اِئْتُوْا'' میں چوں کہ ضمہ عارضی ہے اس وجہ سے ہمزہ مضموم نہ ہوگا بل کہ مکسور ہوگا۔

فائدہ: ہمزہ؛ ع کے ساتھ یا ''ح'' کے ساتھ یا حروف مدہ ''ع یا ح'' کے ساتھ جمع ہوں ایسا ہی ''ع ہ'' ایک ساتھ آئے یا ع ''ح اور ہ'' کے ساتھ آئے یا ''ع، ح، ہ'' مکرر آئیں یا مشدد ہوں تو ہر ایک کو خوب صاف طور سے ادا کرنا چاہیے، مثل ''اِنَّ اللّٰـهَ عَهِدَ، فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ، فَاعِلِيْنَ، يُدْعُوْنَ، دَعَّا، سَبِّحْهُ، عَلٰى اَعْقَابِكُمْ، اَحْسَنَ الْقَصَصِ، عَلٰى عَقِبَيْهِ، اَعُوْذُ، عَهِدَ، عَاهَدَ، عٰلَمِيْنَ، طُبِعَ عَلٰى، سَاحِرٍ، سَحَّارٍ، لَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ، مَبْعُوْثُوْنَ، يٰنُوْحُ اهْبِطْ، وَمَاقَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ، لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ، جِبَاهُهُمْ''۔

فائدہ: ہمزہ؛ متحرک یا ساکن جہاں ہو اس کو خوب صاف طور سے پڑھنا چاہیے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہمزہ الف سے بدل جاتا ہے، یا حذف ہوجاتا ہے، یا صاف طور سے نہیں نکلتا۔ خصوصا جہاں دو ہمزہ ہوں وہاں زیادہ خیال رکھنا چاہیے کہ دونوں ہمزہ خوب صاف ادا ہوں، مثل ''ءَاَنْذَرْتَهُمْ''۔

فائدہ: حرف ساکن کے بعد جب ہمزہ آئے تو اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ ساکن کا سکون تام ادا ہو اور ہمزہ خوب صاف ادا ہو، ایسا نہ ہو کہ ہمزہ حذف ہوجائے اور اس کی حرکت سے ماقبل کا ساکن متحرک ہوجائے، جیسا کہ اکثر خیال نہ کرنے سے ایسا ہوجاتا ہے، بل کہ وہ ساکن کبھی مشدد بھی ہوجاتا ہے، مثل ''قَدْاَفْلَحَ، اِنَّ الْاِنْسَانَ''۔

اسی وجہ سے حفصؒ کے بعض طرق میں ساکن پر سکتہ کیا جاتا ہے تاکہ ہمزہ صاف ادا ہو، خواہ وہ ساکن اور ہمزہ ایک کلمہ میں ہوں یا دو کلموں میں۔

حرکات کے ادا کے بیان میں

فتحہ؛ ساتھ انفتاحِ فم اور صوت کے اور کسرہ؛ ساتھ انخفاضِ فم اور صوت کے اور ضمہ؛ ساتھ انضمام شفتین کے ظاہر ہوتا ہے، ورنہ اگر فتحہ میں کچھ انخفاض ہوا تو فتحہ مشابہ کسرہ کے ہوجائے گا اور اگر کچھ انضمام ہوگیا تو فتحہ مشابہ ضمہ کے ہوجائے گا۔

ایسا ہی کسرہ میں اگر کامل انخفاض نہ ہوگا تو مشابہ فتحہ کے ہوجائے گا، بشرطیکہ انفتاح ہوگیا ہو۔ اور اگر کچھ انضمام پایا گیا تو کسرہ، مشابہ ضمہ ہوجائے گا۔

اور ضمہ میں اگر انضمام کامل نہ ہوا تو ضمہ، مشابہ کسرہ کے ہوجائے گا بشرطیکہ کسی قدر انخفاض ہوگیا اور اگر کسی قدر انفتاح پایا گیا تو فتحہ کے مشابہ ہوجائے گا۔

فتحہ؛ جس کے بعد الف نہ ہو اور ضمہ جس کے بعد واؤ ساکن اور کسرہ جس کے بعد یاء ساکن نہ ہو، ان حرکات کو اشباع سے بچانا چاہیے، ورنہ یہی حروف پیدا ہوجائیں گے، ایسا ہی ضمہ کے بعد جب واؤ مشدد ہو اور کسرہ کے بعد یاء مشدد ہو، مثل ''عَـدُوٌّ، سَوِیٌّ، لُجِّیٌّ'' اس وقت بھی اشباع سے احتراز نہایت ضروری ہے، خصوصاً وقف میں زیادہ خیال رکھنا چاہیے، ورنہ مشدد مخفف ہوجائے گا۔

: جب فتحہ کے بعد الف اور ضمہ کے بعد واؤ ساکن غیر مشدد اور کسرہ کے بعد یاء ساکن غیر مشدد ہو تو اس وقت ان حرکات کو اشباع سے ضرور پڑھنا چاہیے ورنہ یہ حرف ادا نہ ہوں گے، خصوصا جب کئی حرف مدہ قریب قریب جمع ہوں تو زیادہ خیال رکھنا چاہیے کیوں کہ اکثر خیال نہ کرنے سے کہیں اشباع ہوتا ہے اور کہیں نہیں۔

''مَـجْرِیھَا'' جو سورۂ ہود میں ہے، اصل میں لفظ ''مَـجْرٰھَا'' ہے، یعنی ''رٰ''

مفتوح ہے اور اس کے بعد الف ہے، اس جگہ چوں کہ امالہ ہے اس وجہ سے فتحہ خالص اور الف خالص نہ پڑھا جائے گا۔ اور کسرہ اور نہ یاء خالص پڑھی جائے گی، بل کہ فتحہ، کسرہ کی طرف اور الف یاء کی طرف مائل کر کے پڑھا جائے گا جس سے فتحہ، کسرۂ مجہول کے مانند ہو جائے گا اور اس کے بعد یاء مجہول ہوگی، اور اس کے سوا اور کہیں امالہ نہیں ہے۔

فائدہ: کسرہ اور ضمہ کلام عرب میں مجہول نہیں بل کہ معروف ہیں اور ادا کی صورت یہ ہے کہ کسرہ میں انخفاضِ کامل کے ساتھ آواز کسرہ کی باریک نکلے، اور ضمہ میں انضمام شفتین کے ساتھ ضمہ کی آواز باریک نکلے۔

فائدہ: حرکات کو خوب ظاہر کر کے پڑھنا چاہیے یہ نہ ہو کہ مشابہ سکون کے ہو جائے ایسا ہی سکون کامل کرنا چاہیے تا کہ مشابہ حرکت کے نہ ہو جائے اور اس سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ ساکن حرف کی صوت مخرج میں بند ہو جائے اور اس کے بعد ہی دوسرا حرف نکلے۔ اور اگر دوسرے حرف کے ظاہر ہونے سے پہلے مخرج میں جنبش ہوگئی تو لامحالہ یہ سکون حرکت کے مشابہ ہو جائے گا، البتہ حروف قلقلہ اور ''ک اور ت'' کے مخرج میں جنبش ہوتی ہے، فرق اتنا ہے کہ حروف قلقلہ میں جنبش سختی کے ساتھ ہوتی ہے اور کاف و تاء میں نہایت نرمی کے ساتھ جنبش ہوتی ہے۔

فائدہ: کاف و تاء میں جو جنبش ہوتی ہے اُس میں ''ہ'' کی یا ''س یا ث'' کی بو نہ آنی چاہیے۔

> قال النبی الکریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم:
>
> ایک روایت جس کو ملا علی قاریؒ نے شرح شاطبی میں فضائل کے تحت ذکر فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''یا اباھریرۃ تعلم القرآن وعلمہ الناس و لاتزال کذالک حتی یأتیک الموت فان اتاک الموت وانت کذالک حجت الملائکۃ علی قبرک کمایحج المؤمنون الی بیت اللہ الحرام ''۔

تیسرا باب

پہلی فصل

اجتماع ساکنین کے بیان میں

اجتماع ساکنین (یعنی دو ساکن کا اکٹھا ہونا) ایک علیٰ حدہ ہے، دوسرا علیٰ غیر حدہ۔

علیٰ حدہٖ: اس کو کہتے ہیں کہ پہلا ساکن حرف مدہ ہو اور دونوں ساکن ایک کلمہ میں ہوں، مثل ''دَآبَّـة، آلْئٰنَ'' اور یہ اجتماع ساکنین جائز ہے۔

اور اجتماع ساکنین علیٰ غیر حدہ جائز نہیں، البتہ وقف میں جائز ہے۔

اور اجتماع ساکنین علیٰ غیر حدہٖ اس کو کہتے ہیں کہ پہلا حرف ساکن مدہ نہ ہو یا دونوں ساکن ایک کلمہ میں نہ ہوں۔

اب اگر پہلا ساکن حرف مدہ ہو تو اس کو حذف کر دیں گے، مثل ''وَاَقیموا الصلٰوۃ علی ان لاتعدلوا اعدِلُوا، وقالوا الاٰنَ، فی الارض، تحتھا الانھر، واستبقا الباب، وقالا الحمد فلماذاقا الشجرۃ''۔

اگر پہلا ساکن حرف مدہ نہ ہو تو اس کو حرکت کسرہ کی دی جائے گی، مثل ''اِنِ ارْتَبْتُمْ، انذِرِ الناسَ، مِمَّالَمْ یُذکَرِ اسمُ اللہِ، بئسَ الِاسمُ الفسُوْقُ''۔

مگر جب پہلا ساکن میم جمع ہو تو ضمہ دیا جائے گا، مثل ''عَلَیْکُمُ الصیامُ، علیھمُ القتالُ''۔

اور مِنْ جو حرف جر ہے اس کے بعد جب کوئی حرف ساکن آئے گا تو نون مفتوح

پڑھا جائے گا، جیسے ''مِنَ اللّٰہِ''۔

ایسا ہی میم ''الٓمّٓ اللّٰہُ'' کی، وصل میں مفتوح پڑھی جائے گی۔

فائدہ: بئسَ الِاسمُ الفسُوقُ، جو سورۂ حجرات میں ہے اس میں بِئسَ کے بعد لام مکسور اس کے بعد سین ساکن ہے اور لام کے قبل اور بعد جو ہمزہ ہے وہ ہمزہ وصلی ہے، اس وجہ سے حذف کیے جائیں گے اور لام کا کسرہ بہ سببِ اجتماع ساکنین کے ہے۔

فائدہ: کلمہ منونہ، یعنی جس کلمہ کے اخیر حرف پر دو زبر یا دو زیر یا دو پیش ہوں وہاں پر ایک نون ساکن پڑھا جاتا ہے، اور لکھا نہیں جاتا، اُس کو نون تنوین کہتے ہیں، یہ تنوین وقف میں حذف کی جاتی ہے، مگر دو زبر ہوں تو اس تنوین کو الف سے بدلتے ہیں، مثل ''قدیرٌ، برسولٍ، بصیرًا'' اور وصل میں جب اس کے بعد ہمزۂ وصلی ہو تو ہمزۂ وصلی حذف ہو جائے گا۔ اور یہ تنوین بہ سببِ اجتماع ساکنین علیٰ غیر حدہٖ کے مکسور پڑھی جائے گی، اور اکثر جگہ خلافِ قیاس چھوٹا سا نون لکھ دیتے ہیں، مثل ''بِزِینَۃِ نِالْکَوَاکِبِ، خَیرًا نِالْوَصِیَّۃُ، خَبِیثَۃِ نِاجْتُثَّتْ، طُوًی نِاذْھَبْ''۔

فائدہ: تنوین سے ابتدا کرنا یا دہرانا درست نہیں۔

دوسری فصل

مد کے بیان میں

مد؛ دو قسم ہے۔ اصلی اور فرعی۔

مد اصلی......: اس کو کہتے ہیں کہ حروف مدہ کے بعد نہ سکون ہو اور نہ ہمزہ ہو۔

مد فرعی......: اس کو کہتے ہیں کہ حروف مدہ کے بعد سکون یا ہمزہ ہو۔ اور یہ چار قسمیں ہیں:

متصل اور منفصل، لازم اور عارض۔

یعنی حرف مدہ کے بعد اگر ہمزہ آئے اور ایک کلمہ میں ہوتو اس کو مد متصل کہتے ہیں اور اگر ہمزہ دوسرے کلمہ میں ہوتو اس کو مد منفصل کہتے ہیں، مثل ''جآء، جیٓء، سوٓء، فیٓ انفسکم، قالوآ آمنا، مآ انزل''۔

حرف مد کے بعد جب سکون وقفی ہو مثل ''رَحِیْم، تَعْلَمُوْنْ، تُکَذِّبَانْ'' کے، تو اس کو مد عارض کہتے ہیں۔ اور اس میں طول، توسط، قصر تینوں جائز ہیں۔

اور جب حرف مد کے بعد ایسا سکون ہو کہ کسی حالت میں حرف مد سے جدا نہ ہو سکے، اس کو لازم کہتے ہیں۔ اور یہ چار قسم ہے، اس واسطے کہ اگر حرف مد حروف مقطعات میں ہو تو حرفی کہتے ہیں، ورنہ کلمی کہیں گے۔

پھر ہر ایک کلمی اور حرفی دو قسم ہے۔ مثقل اور مخفف۔

اگر حرف مد کے بعد مشدد حرف ہے تو مثقل کہیں گے۔ اور اگر محض سکون ہے تو مخفف ہوگی۔

مد لازم حرفی مثقل اور مد لازم حرفی مخفف کی مثال ''الٓمٓ، الٓر، الٓمٓر، کٓھٰیٰعٓصٓ، حٰمٓ عٓسٓقٓ، حٰمٓ، طٰسٓ، طٰسٓمٓ، نٓ، صٓ، قٓ''۔

اور مد لازم کلمی مثقل کی مثال ''دَآبَّۃٌ'' اور مد لازم کلمی مخفف کی مثال ''آلْئٰنَ''۔

اور جب واؤ یا یاء ساکن کے پہلے فتحہ ہو اور اس کے بعد ساکن حرف ہو تو اس کو مد لین کہتے ہیں اور اس میں قصر، توسط، طول تینوں جائز ہیں۔ اور عین مریم اور عین شوریٰ میں قصر نہایت ضعیف ہے اور طول افضل اور اولیٰ ہے۔

فائدہ: سورۂ آل عمران کا ''الٓمٓ اللّٰہُ'' وصل کی حالت میں میم ساکن اجتماع ساکنین علیٰ غیر حدہٖ کی وجہ سے مفتوح پڑھی جائے گی اور اللّٰہ کا ہمزہ نہ پڑھا جائے گا، اور میم میں

مدلازم ہے، اس وجہ سے وصل میں طول اور قصر دونوں جائز ہیں۔

فائدہ: حرف مد جب موقوف ہوتو اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ ایک الف سے زائد مد نہ ہوجاوے، دوسرے یہ کہ بعد حرف مد کے ہاء یا ہمزہ نہ زائد ہوجاوے، مثل ''قَالُوا، فِیْ، مَا، لا''۔ جیسا کہ اکثر خیال نہ کرنے سے ہوجاتا ہے۔

تیسری فصل

مقدار اور اوجہ مد کے بیان میں

مد عارض اور مد لین عارض میں تین وجہ ہیں: طول، توسط، قصر۔

فرق اتنا ہے کہ مد عارض میں طول اولیٰ ہے اس کے بعد توسط اس کے بعد قصر کا مرتبہ ہے، بہ خلاف مد لین عارض کے، کہ اس میں پہلا مرتبہ قصر کا ہے اس کے بعد توسط کا اس کے بعد طول کا۔

اب معلوم کرنا چاہیے کہ مقدار طول کی کیا ہے، طول کی مقدار تین الف ہے۔ اور توسط کی مقدار دو الف اور ایک قول میں طول کی مقدار پانچ الف اور توسط کی مقدار تین الف ہے اور قصر کی مقدار دونوں قول میں ایک ہی الف ہے۔

فائدہ : مدلازم کی چاروں قسموں میں طول علی التساوی ہوگا، اور بعض کے نزدیک مثقل میں زیادہ مد ہے اور بعض کے نزدیک مخفف میں زیادہ مد ہے، مگر جمہور کے نزدیک تساوی ہے۔

فائدہ: حرف موقوف مفتوح کے قبل جب حرف مد یا حرف لین ہو، مثل ''عٰلَمِیْنَ، لاضَیْرَ'' تو تین وجہ وقف میں ہوں گی، طول مع الاسکان، توسط مع الاسکان، قصر مع الاسکان۔

اور اگر حرف موقوف، مکسور ہے تو وجہِ عقلی چھ نکلتی ہیں، اس میں سے چار جائز ہیں: طول، توسط، قصر مع الاسکان، قصر مع الروم۔ اور طول، توسط مع الروم غیر جائز ہے، اس لیے کہ مد کے واسطے بعد حرف مد کے سکون چاہیے اور روم کی حالت میں سکون نہیں ہوتا بل کہ حرف متحرک ہوتا ہے۔

اور اگر حرف موقوف، مضموم ہے، مثل ''نَسْتَعِيْنُ'' کے تو ضربی عقلی وجہیں نو ہیں: طول، توسط، قصر مع الاسکان۔ طول، توسط، قصر مع الاشمام۔ قصر مع الروم، یہ سات وجہیں جائز ہیں۔ طول، توسط مع الروم غیر جائز ہیں۔ جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا۔

فائدہ: جب مد عارض یا مدلین کئی جگہ ہوں تو ان میں تساوی اور توافق کا خیال رکھنا چاہیے یعنی ایک جگہ مد عارض میں طول کیا ہے تو دوسری جگہ بھی طول کیا جائے، اگر توسط کیا ہے تو دوسری جگہ بھی توسط کرنا چاہیے۔ اگر قصر کیا ہے تو دوسری جگہ بھی قصر کرنا چاہیے، ایسا ہی مدلین میں بھی جب کئی جگہ ہوں تو توافق ہونا چاہیے اور جیسا کہ طول، توسط میں توافق ہونا چاہیے، ایسا ہی مقدارِ طول، توسط میں بھی توافق ہونا چاہیے، مثلاً:

''اعوذ اور بسملہ سے رب العلمین'' تک فصل کل کی حالت میں ضربی وجہیں اڑتالیس نکلتی ہیں۔ اس طرح پر کہ ''رجیم'' کے اوجہِ ثلاثہ مع الاسکان اور قصر مع الروم کو ''رحیم'' کے مدود ثلاثہ اور قصر مع الروم میں ضرب دینے سے سولہ وجہیں ہوتی ہیں اور ان سولہ کو ''العٰلَمِيْنَ'' کے اوجہِ ثلاثہ میں ضرب دینے سے اڑتالیس وجہیں ہوتی ہیں۔

جن میں چار بالاتفاق جائز ہیں، یعنی ''رجیم، رحیم، العلمین'' میں طول مع الاسکان، توسط مع الاسکان، قصر مع الاسکان ''رجیم، رحیم'' میں قصر مع الروم اور ''العلمین'' میں قصر مع الاسکان۔

اور بعض نے ''رجیم، رحیم'' کے قصر مع الروم کی حالت میں ''العلمین'' میں

طول،توسط کو جائز رکھا ہے۔باقی بیالیس وجہیں بالاتفاق غیر جائز ہیں۔

اور فصل اول وصل ثانی کی صورت میں عقلی وجہیں بارہ نکلتی ہیں،اس طرح پر کہ ''رجیم'' کے مدود ثلاثہ اور قصر مع الروم کو ''العلمین'' کے اوجہِ ثلاثہ میں ضرب دینے سے بارہ وجہیں ہوتی ہیں۔ان میں چار وجہیں بالاتفاق جائز ہیں،طول مع الطّول مع الاسکان، توسط مع التوسط مع الاسکان،قصر مع القصر مع الاسکان،قصر مع الروم مع القصر بالاسکان۔ اور قصر مع الروم مع التوسط بالاسکان۔اور قصر مع الروم مع الطّول بالاسکان، یہ دو وجہیں مختلف فیہ ہیں۔باقی وجہیں بالاتفاق غیر جائز۔

اور وصل اول فصل ثانی میں بھی بارہ وجہیں عقلی نکلتی ہیں،اوران میں چار صحیح ہیں اور دو مختلف فیہ ہیں،اور اس صورت میں جو وجہیں نکلتی ہیں،وہ بعینہٖ مثل فصل اول وصل ثانی کے ہیں اس وجہ سے نہیں بیان کی گئیں۔

اور وصل کل کی حالت میں ''اَلْعٰلَمِیْنَ'' کے مدود ثلاثہ ہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ استعاذہ اور بسملہ میں پندرہ یا اکیس وجہیں صحیح ہیں۔

فائدہ: یہ وجہیں جو بیان کی گئی ہیں اس وقت ہیں کہ ''العلمین'' پر وقف کیا جائے اور اگر ''الرحمن الرحیم'' پر یا ''یوم الدین'' یا ''نستعین'' پر وقف کیا جائے گا، یا کہیں وصل اور کہیں وقف کیا جائے گا تو بہت سی وجہیں ضربی نکلیں گی۔اور ان میں وجہ صحیح نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ جس وجہ میں ضعیف کو قوی پر ترجیح ہو جائے یا مساوات نہ رہے یا اقوال مختلفہ میں خلط ہو جائے تب یہ وجہ غیر صحیح ہوگی۔

فائدہ: جب مد عارض اور مد لین عارض جمع ہوں تو اس وقت عقلی وجہیں کم از کم نو نکلتی ہیں۔اب اگر مد عارض مقدم ہے لین پر،مثلاً ''مِنْ جُوْعٍ،مِنْ خَوْفٍ'' تو چھ وجہیں جائز ہیں: یعنی طول مع الطّول،طول مع التوسط،طول مع القصر،توسط مع التوسط،توسط

مع القصر ،قصر مع القصر ۔

اور تین وجہیں غیر جائز ہیں ،یعنی توسط مع الطّول ،قصر مع التوسط ،قصر مع الطّول۔

اور جب مدلین مقدم ہو، مثل ''لاریب -فیه هدی للمتقین ''تو اس وقت بھی نو وجہیں نکلتی ہیں اس میں سے چھ وجہیں جائز ہیں ،یعنی قصر مع القصر ،قصر مع التوسط ،قصر مع الطّول ،توسط مع الطّول ،توسط مع التوسط ،طول مع الطّول۔اور طول مع التوسط ،طول مع القصر اور توسط مع القصر یہ تین غیر جائز ہیں۔

اور یہ وجہیں غیر جائز اس وجہ سے ہیں کہ حروف مدہ میں مد اصل اور قوی ہے۔ اور حرف لین میں جو مد ہوتا ہے وہ تشبیہ کی وجہ سے ہوتا ہے،اس وجہ سے حرف لین میں مد ضعیف ہے۔اور ان صورتوں میں ترجیح ،ضعیف کی قوی پر ہوتی ہے اور یہ غیر جائز ہے۔

اور اگر موقوف علیہ میں بہ سبب اختلاف حرکات کے روم واشمام جائز ہو تو اس میں اور وجہیں زائد پیدا ہوں گی ،اس میں بھی مساوات اور ترجیح کا خیال رکھنا چاہیے، مثل ''من جوع -من خوف ''۔

فائدہ : مد متصل اور مد منفصل کی مقدار میں کئی قول ہیں: دو الف، ڈھائی الف، چار الف اور منفصل میں قصر بھی جائز ہے۔ان اقوال میں جس پر جی چاہے عمل کیا جائے مگر اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ مد متصل جب کئی جگہ ہوں تو جس قول کو پہلی جگہ لیا ہے وہی دوسری تیسری جگہ رہے مثلاً ''والسَّمَآءِ بِنَآءً ''میں اگر اقوال کو ضرب دیا جائے تو نو وجہیں ہوتی ہیں اور ان میں سے تین وجہ مساوات کی ہیں ،وہ صحیح ہیں ،باقی چھ وجہیں غیر صحیح ہیں۔

ایسا ہی جب مد منفصل کئی جمع ہوں تو ان میں بھی اقوال کو خلط نہ کرے مثلاً: ''لاتواخذنآان نسینآاو ''اس میں بھی یہ نہ ہونا چاہیے کہ پہلی جگہ ایک قول لے دوسری جگہ دوسرا قول لیا جائے بل کہ مساوات کا خیال رکھنا چاہیے۔

فائدہ: جب مد منفصل اور متصل جمع ہوں اور مثلاً منفصل مقدم ہو متصل پر مثل ''ھٰؤُلَآءِ'' کے تو جائز ہے منفصل میں قصر اور دو الف اور متصل میں دو الف ڈھائی الف چار الف اور جب منفصل میں ڈھائی الف مد کیا جائے تو متصل میں ڈھائی الف چار الف مد جائز ہے، اور دو الف غیر جائز ہے، اس واسطے کہ متصل، منفصل سے اقوی ہے اور ترجیح ضعیف کی قوی پر غیر جائز ہے۔

اور جب منفصل میں چار الف مد کیا تو متصل میں صرف چار الف مد ہوگا اور ڈھائی الف دو الف اس صورت میں غیر جائز ہوگا۔ وجہ، وہی رجحان کی ہے۔

اور جب مد متصل منفصل پر مقدم ہو مثل ''جِآءُوٓ اٰبَاۗءَهُمْ'' تو اگر متصل میں چار الف مد کیا تو منفصل میں چار الف، ڈھائی الف، دو الف اور قصر جائز ہے۔ اور اگر ڈھائی الف مد کیا ہے، تو منفصل میں ڈھائی الف، دو الف اور قصر جائز ہے۔ اور چار الف غیر جائز ہے۔

ایسا ہی اگر متصل میں دو الف مد کیا ہے تو منفصل میں صرف دو الف اور قصر ہوگا اور ڈھائی الف، چار الف مد نہ ہوگا۔

فائدہ: جب متصل منفصل کئی جمع ہوں مثل ''بِاَسْمَآءِ ھٰٓؤُلَآءِ'' تو انھیں قواعد پر قیاس کر کے وجہ صحیح غیر صحیح نکال لی جائے۔

فائدہ: جب متصل کا ہمزہ اخیر کلمہ میں واقع ہو اور اس پر وقف اسکان یا اشمام کے ساتھ کیا جائے مثل ''یَشَآءُ، قُرُوٓءٍ، نَسِیٓءُ'' تو اس وقت میں طول بھی جائز ہے۔

اور سکون کی وجہ سے قصر جائز نہ ہوگا، اس واسطے کہ اس صورت میں سببِ اصلی کا الغاء اور سببِ عارضی کا اعتبار لازم آتا ہے اور یہ غیر جائز ہے۔

اور اگر وقف بالروم کیا ہے تو صرف توسط ہوگا۔

فائدہ: خلافِ جائز سے جو وجہیں نکلتی ہیں مثل اوجہ بسملہ وغیرہ کے ان میں سب وجہوں

کا ہر جگہ پڑھنا معیوب ہے، اس قسم کی وجھوں میں ایک وجہ کا پڑھنا کافی ہے، البتہ افادہ کے لحاظ سے سب وجھوں کا ایک جگہ جمع کر لینا معیوب نہیں۔

فائدہ: اس فصل میں جو غیر جائز اور غیر صحیح کہا گیا ہے مراد اس سے غیر اولیٰ ہے، قاریٔ ماہر کے واسطے معیوب ہے۔

فائدہ: اختلافِ مرتب میں خلط کرنا یعنی ایک لفظ کا اختلاف دوسرے پر موقوف ہو مثلاً ''فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ'' اس میں ''اٰدَمُ'' کو مرفوع پڑھیں تو ''كَلِمٰتٍ'' کو منصوب پڑھنا ضروری ہے، ایسا ہی بالعکس۔ ایسے اختلاف کے موقع پر خلط بالکل حرام ہے۔

اور اگر ایک روایت کا التزام کر کے پڑھا اور اس میں دوسرے کو خلط کر دیا تو کذب فی الروایت لازم آئے گا۔ اور علیٰ حسب التلاوۃ خلط جائز ہے۔ مثلاً: حفصؒ کی روایت میں دو طریق مشہور ہیں:

ایک امام شاطبیؒ۔ دوم جزریؒ۔ تو ان میں خلط کرنا اس لحاظ سے کہ دونوں وجہ، حفصؒ سے ثابت ہیں کچھ حرج نہیں، خصوصاً جب ایک وجہ عوام میں شائع ہوگئی ہو اور دوسری وجہ مشہور ثابت عند القراء، متروک ہوگئی ہو، تو ایسی صورت میں لکھنا پڑھنا پڑھانا نہایت ضروری ہے، متاخرین کے اقوال و آراء میں خلط کرنا چنداں مضائقہ نہیں۔

چوتھی فصل

وقف کے احکام میں

وقف کے معنی: اخیر کلمۂ غیر موصول پر سانس کا توڑنا۔

اب اگر وہاں پر کوئی آیت ہے یا کوئی وقف، اوقافِ معتبرہ سے ہے تو بعد کے کلمہ سے ابتدا کرے ورنہ جس کلمہ پر سانس توڑے اس کو اعادہ کرے۔

اور وسط کلمہ پر اور ایسا ہی جو کلمہ دوسرے کلمہ سے موصول ہو اس پر وقف جائز نہیں۔

ایسا ہی ابتدا اور اعادہ بھی جائز نہیں۔

اب معلوم ہونا چاہیے کہ جس کلمہ پر سانس توڑنا چاہتا ہے، اگر وہ پہلے سے ساکن ہے تو محض وہاں پر سانس توڑ دیں گے۔

اور اگر وہ کلمہ اصل میں ساکن ہے مگر حرکت اس کو عارض ہوگئی ہے تب بھی وقف محض اسکان کے ساتھ ہوگا، مثل ''عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ، وَاَنۡذِرِ النَّاسَ ''۔

اور اگر وہ حرف موقوف متحرک ہے تو اس کے اخیر میں 'ت' بہ صورتِ 'ۃ' ہوگی یا نہیں، اگر 'ت' بہ صورتِ 'ۃ' ہے تو وقف میں اس 'ت' کو ہائے ساکنہ سے بدل دیں گے، مثل ''رَحۡمَةٌ، نِعۡمَةٌ''۔

اور اگر ایسا نہ ہو تو آخر حرف پر اگر دو زبر ہیں تو تنوین کو الف سے بدل دیں گے، مثل ''سَوَاءً، هُدًى''۔

اور اگر حرف موقوف پر ایک زبر ہے تو وقف صرف اسکان کے ساتھ ہوگا، مثل ''یَعۡلَمُوۡنَ'' کے۔

اور اگر اخیر حرف پر ایک پیش یا دو پیش ہوں، مثل ''وَبَرۡقٌ، یَفۡعَلُ'' تو وقف اسکان اور اشمام اور روم تینوں سے جائز ہے۔

اشمام کے معنی ہیں حرف کو ساکن کر کے ہونٹوں سے ضمہ کی طرف اشارہ کرنا۔

اور روم کے معنی ہیں حرکت کو خفی صوت سے ادا کرنا۔

اور اگر اخیر حرف پر ایک زیر یا دو زیر ہوں، مثل ''ذُوانۡتِقَامٍ، وَلَا فِی السَّمَاءِ'' تو وقف میں اسکان اور روم دونوں جائز ہیں۔

فائدہ: روم اور اشمام اسی حرکت پر ہوگا جو کہ اصلی ہوگی۔ اور اگر حرکت، عارضی ہوگی تو

روم اور اشمام جائز نہ ہوگا، مثل ''اَنْذِرِ الَّذِیْنَ، عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ''۔

فائدہ: روم کی حالت میں تنوین حذف ہو جائے گی، جیسا کہ ہائے ضمیر کا صلہ وقف بالروم اور بالاسکان میں حذف ہو جاتا ہے، مثل ''بِہٖ، لَہٗ'' کے۔

فائدہ: ''الظُّنُوْنَا، الرَّسُوْلَا اور السَّبِیْلَا'' جو سورۂ احزاب میں ہے اور پہلا ''قَوَارِیْرَا'' جو سورۂ دہر میں ہے، اور ''اَنَا'' جو ضمیر مرفوع منفصل ہے، ایسے ہی ''لٰکِنَّا'' جو سورۂ کہف میں ہے، اِن کے آخر کا الف وقف میں پڑھا جائے گا۔ اور وصل میں نہیں پڑھا جائے گا اور ''سَلَاسِلَا'' جو سورۂ دہر میں ہے، جائز ہے وقف کی حالت میں اثباتِ الف اور حذفِ الف۔

فائدہ: آیات پر وقف کرنا زیادہ احب اور مستحسن ہے اور اس کے بعد جہاں 'م' لکھی ہو اور اس کے بعد جہاں 'ط' لکھی ہو۔ اور اس کے بعد جہاں 'ج' لکھی ہو۔ اس کے بعد جہاں 'ز' لکھی ہو۔ اولیٰ پر غیر اولیٰ کو ترجیح نہ دینا چاہیے، یعنی آیت کو چھوڑ کر غیر آیت پر وقف کرنا یا 'م' کی جگہ وصل کر کے 'ط' وغیرہ پر وقف کرنا، بل کہ ایسا انداز رکھے کہ جب سانس توڑے تو آیت پر یا 'م'، 'ط' پر۔

بعض کے نزدیک جس آیت کو مابعد سے تعلق لفظی ہو، وہاں پر وصل اولیٰ ہے فصل سے۔ وصل کی جگہ صرف وقف یا وقف کی جگہ صرف وصل کرنے سے معنی نہیں بدلتے اور محققین کے نزدیک نہ گناہ ہے نہ کفر، البتہ قواعدِ عرفیہ کے خلاف ہے، جن کا اتباع کرنا نہایت ضروری ہے، تا کہ ایہامِ معنیٔ غیر مراد لازم نہ آئے۔ ایسا ہی اعادہ میں بھی لحاظ رکھنا چاہیے۔

بعض جگہ اعادہ نہایت قبیح ہوتا ہے، جیسا کہ وقف کہیں حسن، کہیں احسن، کہیں قبیح کہیں اقبح ہوتا ہے۔ ایسا ہی اعادہ بھی چار قسم ہے، تو جہاں سے اعادہ حسن یا احسن ہو،

وہاں سے کرنا چاہیے، ورنہ اعادۂ قبیح سے ابتدا بہتر ہے، مثلاً ''قَالُوْا اِنَّ اللّٰہَ فَقِیْرٌ'' سے اعادہ حسن ہے اور ''اِنَّ اللّٰہَ'' سے قبیح ہے۔

فائدہ : تمام اوقاف پر سانس توڑنا باوجود دم ہونے کے ایسا نہ چاہیے۔ قاری کی مثال مثل مسافر اور اوقاف کو مثل منازل کے لکھتے ہیں، تو جب ہر منزل پر بلا ضرورت ٹھہرنا فضول اور وقت کو ضائع کرنا ہے تو ایسا ہی ہر جگہ وقف کرنا فعل عبث ہے، جتنی دیر وقف کرے گا اتنی دیر میں ایک دو کلمہ ہو جائیں گے۔

البتہ لازم، مطلق پر اور ایسے ہی جس آیت کو مابعد سے تعلق لفظی نہ ہو، ایسی جگہ وقف کرنا ضروری اور مستحسن ہے۔

اور کلمہ کو محض ساکن کرنا یا اور جو احکام وقف کے ہیں، ان کو کرنا بلا سانس توڑے، اس کو وقف نہیں کہتے، یہ سخت غلطی ہے۔

فائدہ : کلمات میں تقطیع اور سکتات نہ ہونا چاہیے، خصوصاً سکون پر، البتہ جہاں روایۃً ثابت ہوا ہے وہاں سکتہ کرنا چاہیے اور یہ چار جگہ ہے، جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

آیات پر سکتہ کرے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے اور عوام میں جو مشہور ہے کہ سورۂ فاتحہ میں سات جگہ سکتہ کرنا نہایت ضروری ہے، اگر سکتہ نہ کیا جائے تو شیطان کا نام ہو جائے گا، یہ سخت غلطی ہے۔ وہ سات جگہ یہ ہیں: ''دُلِلُ، ھِرَبُ، کِیَوُ، کَنَعُ، کَنَسُ، تَعَلُ، بِعَلُ''۔

اگر ایسا ہی کسی کلمہ کا اول کسی کلمہ آخر ملا کر کلمات گھڑ لیے جائیں تو اور بھی بہت سے سکتے نکلیں گے، جیسا کہ ملا علی قاریؒ شرح مقدمہ جزریہ میں تحریر فرماتے ہیں ''وَمَا اشْتَھَرَ عَلٰی لِسَانِ بَعْضِ الْجَھَلَۃِ مِنَ الْقُرْآنِ فِیْ سُوْرَۃِ الْفَاتِحَۃِ لِلشَّیْطَانِ کَذَا مِنَ الْاَسْمَاءِ فِیْ مِثْلِ ھٰذِہِ التَّرَاکِیْبِ مِنَ الْبِنَاءِ فَخَطَأٌ فَاحِشٌ وَاِطْلَاقٌ قَبِیْحٌ، ثُمَّ سَکْتُھُمْ

عَلٰی نَحْوِ دَالِ الْحَمْدُوَ كَافِ إِيَّاكَ وَأَمْثَالِهَاغَلَطٌ صَرِيْحٌ''۔

فائدہ: ''كَاَيِّنْ'' میں جونون ساکن ہے یہ نون تنوین کا ہے اور مرسوم ہے اس لفظ کے سوا مصحفِ عثمانی میں کہیں تنوین نہیں لکھی جاتی اور قاعدہ سے یہاں تنوین وقف کی حالت میں حذف ہونا چاہیے مگر چوں کہ وقف؛ تابع رسم خط کے ہوتا ہے، اور یہاں تنوین مرسوم ہے اس وجہ سے وقف میں ثابت رہے گی۔

فائدہ: آخر کلمہ کا حرف علت جب غیر مرسوم ہو تو وقف میں بھی محذوف ہوگا اور جو مرسوم ہوگا، وہ وقف میں بھی ثابت ہوگا۔

ثابت فی الرسم کی مثال ''وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ، تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ، لَاتَسْقِي الْحَرْثُ''۔

اور محذوف فی الرسم کی مثال ''فَارْهَبُوْنِ، وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ'' سورۂ نساء میں ''نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ'' سورۂ یونس میں ''مَتَابِ، عِقَابِ'' سورۂ رعد میں۔

مگر سورۂ نمل میں جو ''فَمَآاٰتٰنِ اللّٰهُ'' ہے اس کی یا باوجودیکہ غیر مرسوم ہے وقف میں جائز ہے اثبات اور حذف، اس واسطے کہ وصل میں حفصؒ اس کو مفتوح پڑھتے ہیں۔

''یدع الانسان'' جو سورۂ اسراء میں ''ویمح الله الباطل'' سورۂ شوریٰ میں ''یدع الداع'' سورۂ قمر میں ''سندع الزبانية'' سورۂ علق میں ''ايه المؤمنون'' سورۂ مؤمنون میں ''ايه الساحر'' سورۂ زخرف میں ''ايه الثقلٰن'' سورۂ رحمٰن میں۔

البتہ اگر تماثل فی الرسم کی وجہ سے غیر مرسوم ہوگا تو اس قسم کا محذوف وقف میں ثابت ہوگا، اس کی مثال ''يُحْيِ، يَسْتَحْيِ، وَاِنْ تَلْوٗا، لِتَسْتَوٗا، جَآءَ، مَآءً، سَوَآءً، تَرَاءَ الْجَمْعٰنِ''۔

فائدہ: ''لَاتَاْمَنَّاعَلٰی يُوْسُفَ'' اصل میں ''لَاتَاْمَنُنَا'' دونوں ہیں اور پہلا نون مضموم ہے دوسرا مفتوح اور لا نافیہ ہے۔ اس میں محض اظہار اور محض ادغام جائز نہیں، بل کہ ادغام

کے ساتھ اشمام ضرور کرنا چاہیے اور اظہار کی حالت میں روم ضروری ہے۔

فائدہ: حروف مبدوء اور موقوف کا خیال رکھنا چاہیے کہ کامل طور سے ادا ہو، خاص کر جب ہمزہ یا عین موقوف کسی حرف ساکن کے بعد ہو مثل ''شَیۡءٌ، سُوۡءٍ، جُوۡعٍ'' اکثر خیال نہ کرنے سے ایسے موقع پر حرف بالکل نہیں ادا ہوتا یا ناقص ادا ہوتا ہے۔

فائدہ: نون خفیفہ قرآن شریف میں دو جگہ ہے: ایک ''وَلَیَکُوۡنًا مِّنَ الصّٰغِرِیۡنَ'' سورۂ یوسف میں۔ دوسرا ''لَنَسۡفَعًا'' سورۂ اقرء میں۔ یہ نون وقف میں الف سے بدل جائے گا اس لیے کہ اس کی رسم الف کے ساتھ ہے۔

خاتمہ

پہلی فصل

جاننا چاہیے کہ قاری مقری کے واسطے چار علموں کا جاننا ضروری ہے:

☆......ایک تو علم تجوید یعنی حروف کے مخارج اور اس کے صفات کا جاننا۔

☆......دوسرا علم اوقاف ہے، یعنی اس بات کو جاننا کہ اس کلمہ پر کس طرح وقف کرنا چاہیے اور کس طرح نہ کرنا چاہیے اور کہاں معنی کے اعتبار سے قبیح اور حسن ہے اور کہاں لازم اور غیر لازم ہے۔

تجوید کے اکثر مسائل بیان ہو چکے ہیں اور اوقاف جو قبیل ادا سے ہیں وہ بھی بیان کر دیے گیے، اور جو قبیل معانی سے ہیں مختصر طور سے ان کے رموز کا بھی جو دال علی المعانی ہیں بیان کر دیا اور بالتفصیل بیان کرنے سے کتاب طویل ہو جائے گی اور مقصود اختصار ہے۔

☆......اور تیسرے رسم عثمانی ہے اس کا بھی جاننا نہایت ضروری ہے یعنی کس کلمہ کو کہاں

پر کس طرح لکھنا چاہیے کیوں کہ کہیں تو رسم مطابق تلفظ کے ہیں اور کہیں غیر مطابق۔

اب اگر ایسے موقع پر جہاں مطابقت نہیں ہے وہاں لفظ کو مطابق رسم کے تلفظ کیا تو بڑی بھاری غلطی ہو جائے گی، مثلاً ''رَحْمٰنُ'' بے الف کے لکھا جاتا ہے اور ''بِأَيْـد'' سورۂ ذاریات میں دو یا سے لکھا جاتا ہے۔ اور ''لَاْاِلَی اللّٰـہِ تُحْشَرُوْنَ، لَاْاَوْضَعُوْا، لَاْاَذْبَـحَنَّہٗ، لَاْاَنْتُمْ'' ان چار جگہوں میں لام تاکید کا ہے اور لکھنے میں لام الف ہے۔ اب ان جگہوں میں مطابقتِ رسم سے لفظ مہمل اور مثبت منفی ہو جاتا ہے۔

اور یہ رسم توقیفی اور سماعی ہے، اس کے خلاف لکھنا جائز نہیں اس واسطے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں جس وقت قرآن شریف نازل ہوتا تھا اسی وقت لکھا جاتا تھا۔ صحابۂ کرام کے پاس متفرق طور سے لکھا ہوا تھا۔

اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اکٹھا ایک جگہ جمع کیا گیا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں نہایت ہی اہتمام اور اجماع صحابہ سے متعدد قرآن شریف لکھوا کر جا بجا بھیجے گیے۔

جمع اول اور جمع ثانی میں اتنا فرق ہے کہ پہلی دفعہ میں جمع غیر مرتب تھا اور جمع ثانی میں سورتوں کی ترتیب کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے۔

اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کام کو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا، کیوں کہ یہ کاتب الوحی تھے اور عُرضۂ اخیرہ کے مشاہد۔ اور اسی عرضہ کے موافق جناب حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن سنایا تھا اور باوجود سارے کلام مجید مع سبعہ احرف کے حافظ ہونے کے پھر بھی یہ احتیاط اور اہتمام تھا کہ تمام صحابۂ کرام کو حکم تھا کہ جو کچھ جس کے پاس قرآن شریف لکھا ہوا ہو وہ لا کر پیش کریں اور کم از کم دو دو گواہ بھی ساتھ رکھتا ہو، کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے سامنے یہ لکھا گیا ہے۔ اور جیسا کہ صحابۂ کرام نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھا تھا ویسا ہی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے لکھوایا۔

بل کہ بعض ائمۂ اہل رسم اس کے قائل ہیں کہ یہ رسم عثمانی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر اور املاء سے ثابت ہوئی ہے، اس طرح پر یہ قرآن شریف باجماعِ صحابۂ کرام اس رسم خاص پر غیر معرب غیر منقط لکھا گیا، اس کے بعد قرن ثانی میں آسانی کی غرض سے اعراب اور نقطے بھی حروف میں دیے گیے، اب معلوم ہوا کہ یہ رسم توقیفی ہے۔

ورنہ جس طرح ائمۂ دین نے اعراب اور نقطے آسانی کے لیے دیے ہیں ایسا ہی رسم غیر مطابق کو مطابق کر دیتے، اور یہ بات بعید از قیاس ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہما اور جمیع صحابہ اس غیر مطابق اور زوائد کو دیکھتے اور پھر اس کی اصلاح نہ فرماتے، خاص کر قرآن شریف میں، اسی واسطے جمیع خلفاء اور صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین اور ائمۂ اربعہ وغیرہم نے اس رسم کو تسلیم کیا ہے اور اس کے خلاف کو خلاف جائز کی جگہ جائز نہیں رکھا۔

اور بعض اہل کشف نے اس رسم خاص میں بڑے بڑے اسرار بیان کیے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: یہ رسم بمنزلۂ حروف مقطعات اور آیات متشابہات کے ہے "وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم یقولون امنابہ کل من عندربنا"۔

☆......اور چوتھے علم قراءت ہے اور یہ وہ علم ہے جس سے اختلاف الفاظِ وحی کے معلوم ہوتے ہیں۔۔۔اور قراءت دو قسم ہے:

☆......ایک تو وہ قراءت ہے جس کا پڑھنا صحیح ہے اور اس کی قرآنیت کا اعتقاد کرنا ضروری اور لازمی ہے۔ اور انکار اور استہزا گناہ اور کفر ہے۔ اور یہ وہ قراءت ہے جو قراء عشرہ سے بطریق تواتر اور شہرت ثابت ہوئی ہے۔

اور جو قراءات ان سے بطریق تواتر اور شہرت ثابت نہیں ہوئیں یا ان کے ماسوا سے مروی ہیں وہ سب شاذہ ہیں۔ اور شاذہ کا حکم یہ ہے کہ اس کا پڑھنا قرآنیت کے اعتقاد سے یا اس طرح کہ سامع کو قرآن شریف پڑھے جانے کا وہم ہو، حرام اور ناجائز ہے۔

آج کل یہ بلا بہت ہو رہی ہے کہ کوئی قراءت متواترہ پڑھے تو مسخراپن کرتے ہیں اور ٹیڑھی بانکی قراءت سے تعبیر کرتے ہیں۔

اور بعض حفاظ قاری صاحب بننے کو تفسیر وغیرہ دیکھ کر اختلاف قراءت سے پڑھنے لگتے ہیں اور یہ تمیز نہیں ہوتی کہ یہ کون سی قراءت ہے؟ آیا پڑھنا صحیح ہے یا نہیں؟ اور شاذ ہے یا متواتر؟ دونوں حضرات کا حکم ماسبق سے معلوم ہو چکا کہ کس درجہ برا کرتے ہیں۔

دوسری فصل

قرآن شریف کو الحان اور انغام کے ساتھ پڑھنے میں اختلاف ہے۔ بعض حرام بعض مکروہ، بعض مباح، بعض مستحب، کہتے ہیں۔

پھر اطلاق اور تقیید میں بھی اختلاف ہے، مگر قول محقق اور معتبر یہ ہے کہ اگر قواعد موسیقیہ کے لحاظ سے قواعد تجوید کے بگڑ جائیں، تب تو مکروہ یا حرام ہے؛ ورنہ مباح ہے یا مستحب۔ اور مطلقاً تحسین صوت سے پڑھنا مع رعایت قواعد تجوید کے مستحب اور مستحسن ہے، جیسا کہ اہل عرب عموماً خوش آوازی اور بلا تکلف بلا رعایتِ قواعد موسیقیہ کے، بل کہ اکثر قواعد موسیقیہ سے ذرّہ بھر بھی واقف نہیں ہوتے، اور نہایت ہی خوش آوازی سے پڑھتے ہیں، اور یہ خوش آوازی ان کی طبعی اور جبلّی ہے۔ اسی واسطے ہر ایک کا لہجہ الگ الگ اور ایک دوسرے سے ممتاز ہوتا ہے، ہر ایک اپنے لہجہ کو ہر وقت پڑھ سکتا ہے، بہ خلاف انغام کے، کہ ان کے اوقات مقرر ہیں کہ دوسرے وقت میں نہیں بنتے اور نہ اچھے معلوم

ہوتے ہیں، یہاں سے معلوم ہو گیا کہ نغم اور لہجہ میں کیا فرق ہے؟۔

طرز طبعی کو لہجہ کہتے ہیں، بہ خلاف نغم کے، اب یہ بھی معلوم کرنا ضروری ہے کہ انغمام کسے کہتے ہیں؟ وہ یہ ہے کہ تحسین صوت کے واسطے جو خاص قواعد مقرر کیے گیے ہیں، ان کا لحاظ کر کے پڑھنا، یعنی: کہیں گھٹانا، کہیں بڑھانا، کہیں جلدی کرنا، کہیں نہ کرنا، کہیں آواز کو پست کرنا، کہیں بلند کرنا، کسی کلمہ کو سختی سے ادا کرنا، کسی کو نرمی سے، کہیں رونے کی سی آواز نکالنا، کہیں کچھ، کہیں کچھ، جو جانتا ہو وہ بیان کرے۔

البتہ جو بڑے بڑے اس فن کے ماہر ہیں ان کے قول یہ سنے گیے ہیں: کہ اس سے کوئی آواز خالی نہیں ہوتی، ضرور بالضرور کوئی نہ کوئی قاعدہ موسیقی کا پایا جائے گا۔ خصوصاً جب انسان ذوق شوق میں کوئی چیز پڑھے گا، باوجود یکہ وہ کچھ بھی اس فن سے واقف نہ ہو مگر کوئی نہ کوئی نغم سرزد ہو گا۔

اسی واسطے بعض محتاط لوگوں نے اس طرح پڑھنا شروع کیا ہے، کہ تحسین صوت کا ذرّہ بھر بھی نام نہ آوے، کیوں کہ تحسین صوت کو لازم ہے نغم اور اس سے احتیاط ہے اور یہی بعض اہل احتیاط، اہل عرب کو کہتے ہیں کہ وہ لوگ تو گا کے پڑھتے ہیں، حالاں کہ یہ تحسین کسی طرح ممنوع نہیں، اور نہ اس سے مفر ہے۔

خلاصہ اور ماحصل ہمارا یہ ہے کہ قرآن شریف کو تجوید سے پڑھنا اور فی الجملہ خوش آوازی سے پڑھے اور قواعد موسیقیہ کا خیال نہ کرے، کہ موافق ہے یا مخالف، اور صحتِ حروف اور معانی کا خیال کرے۔ اور معنی اگر نہ جانتا ہو تو اتنا ہی خیال کافی ہے کہ مالک الملک عزوجل کے کلام کو پڑھ رہا ہوں اور وہ سن رہا ہے۔ اور پڑھنے کے آداب مشہور ہیں.............تمت بالخیر

الفہٗ عبدالرحمن بن محمد بشیر خان عفا اللہ عنہ وعن والدیہ

کمپوزنگ و سیٹنگ: ایچ، اے، ایم 9371550605